جی ایس پی پلس اسکیم

اور

پاکستان میں معیاراتِ محنت پر عملدرآمد کے چیلنجز

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

نومبر 2015، اسلام آباد

PWC
Pakistan Workers Confederation

فہرست

صفحہ نمبر

پیش لفظ: پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی جی ایس پی پلس پر رپورٹ i

باب 1: پاکستان میں محنت کی منڈی کی کیفیت اور باوقار روزگار کا فقدان 1

بنیادی حقائق 1

پاکستان میں ملازمتیں دینے کا طریقہ کار اور مزدوروں کے حقوق کی نفی 4

اجرتیں اور کارکنان کے مسائل 8

کام کے دوران حادثات و بیماریوں کی شرح 9

کام کی زیادتی کا شکار محنت کش 10

پاکستان میں غیر رسمی شعبوں میں لیبر قوانین پر عملدرآمد کے چیلنجز 10

تجاویز 14

باب 2: یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کا حق۔ رکاوٹیں و بندشیں 17

ٹریڈ یونین کو ناکام بنانے کے ہتھکنڈے 18

تجاویز 19

باب 3: محنت کی منڈی۔ امتیازات و عدم مساوات 21

تجاویز 24

باب 4: بچوں کی مشقت 25

چائلڈ لیبر کی وجوہات 26

تجاویز 28

پنجاب حکومت کا بھٹہ مزدوروں کے بچوں کی تعلیم اور چائلڈ لیبر کے خاتمے کا قابل قدر منصوبہ 29

باب 5: جبری مشقت 30

تجاویز 30

باب 6: مزدور قانون سازی۔ سست رفتاری اور عملدرآمد کا فقدان 32

پاکستان میں لیبر لاز پر عملدرآمد کی صورتحال 33

باب 7: لیبر انسپکشن کے مسائل 38

لیبر انسپکشن کی صورتحال 39

تجاویز 42

باب 8: روزگار کے سماجی تحفظ و بہبود کے ادارے 50
ایمپلائز اولڈ ایج بینی فٹس انسٹیٹیوشن (EOBI) 50
اصلاحات رتجاویز 51
ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹیٹیوشن 52
تجاویز 53
ورکرز ویلفیئر فنڈ 54
تجاویز 55

باب 9: پاکستان میں مزدور عدلیہ اور حصول انصاف کا چیلنج 56
تجاویز 57

باب 10: پاکستان کی اہم سیاسی پارٹیوں کے مزدوروں کے بارے انتخابی منشور کا ایک جائزہ 59
پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین (PPPP) 59
پاکستان مسلم لیگ (ن) (PML-N) 60
مسلم لیگ (PML) 60
پاکستان تحریکِ انصاف (PTI) 60
متحدہ قومی مومنٹ (MQM) 61
جمعیت العلمائے السلام (JUF-F) 61
عوامی نیشنل پارٹی (ANP) 62
جماعت اسلامی (JI) 62

باب 11: جی ایس پی پلس کی رعایت اور ہماری ذمہ داریاں 63
اسٹیک ہولڈرز کی حالیہ کارکردگی کا مختصر جائزہ 64
جی ایس پی پلس مستقبل کا لائحہ عمل اور ہماری ذمہ داریاں 66
قانونی اصلاحات وقوانین سازی 66
انتظامی اصلاحات 67
حرفِ آخر 68

حوالہ جات 69
پاکستان ورکرز کنفیڈریشن 70
مصنفین کے بارے میں 71

جدول کی فہرست

جدول1.1: پاکستان کی محنت کی منڈی کے منتخب اشاریے 1
جدول1.2: محنت کی منڈی اور روزگار سے متعلق منتخب اشاریے (فیصد) 2
جدول1.3: اہم شعبوں میں برسرروزگار افراد کی تقسیم (فیصد) 3
جدول1.4: اہم پیشہ ورانہ گروپس میں برسرروزگار افراد کی تعداد (فیصد) 3
جدول1.5: اجرت اور تنخواہ دار روزگار کمانے والے کارکنان کی درجہ بندی (فیصد) 6
جدول1.6: اہم صنعتوں میں مردوں کے مقابلے خواتین کی اجرتوں میں فرق 2013-2014 6
جدول1.7: بنیادی پیشوں میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تنخواہوں کا فرق 2013-14ء 7
جدول1.8: حقیقی اجرتوں کا رجحان اجرتوں میں سالانہ اضافہ (فیصد) 8
جدول1.9: محنت کی پیداواریت کے رجحانات 8
جدول1.10: ملازمین کی اجرت بلحاظ شعبہ شرح نمو فیصد 9
جدول1.11: کم از کم اجرت سے کم تنخواہ لینے والے ملازمین کی شرح فیصد بلحاظ شعبہ 9
جدول1.12: کام کے دوران حادثات، امراض کی شرح (فیصد) 10
جدول1.13: کام کی زیادتی کا شکار کارکنوں کی شرح..... ہفتے میں 49 گھنٹے یا زائد کا کام کرنے والے (فیصد) 10
جدول1.14: منظم اور غیر منظم شعبے..... غیر زرعی کارکنان کی تقسیم (فیصد) 11
جدول1.15: غیر منظم شعبے کے کارکنان کی بڑی صنعتی شعبوں میں تقسیم روزگار (فیصد) 11
جدول4.1: کم سن کارکن بچوں کی شرح 26
جدول6.1: سرگودھا میں کان کنی کے جان لیوا حادثات 37
جدول7.1: انسپکشن کی بابت رجسٹریشن لیبر انسپکٹر اور تربیت کے نظام کی صورتحال 39
جدول7.2: انسپکٹر آف فیکٹریز (Inspector of Factories) 39
جدول7.3: پاکستان کے چاروں صوبوں میں لیبر انسپکشن کی کارکردگی 2014 41
جدول8.1: EOBI میں رجسٹرڈ کا کنوں کی تعداد 50
جدول8.2: 1976 سے اپریل 2014 تک EOBI فنڈ میں جمع ہونے والی رقوم کی علاقہ وار تفصیل 50
جدول8.3: 2012-13 اور 2013-14ء میں ای او بی آئی کو مختلف اثاثوں سے آمدن کی تفصیل 51
جدول8.4: سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کی صورتحال 53

ٹیکسٹ باکس کی فہرست

1.1: پاکستان میں صنعتی یونٹس کی صورتحال 3
1.2: ٹھیکیداری نظام 5
1.3: پاکستان کا غیر روایتی ذریعہ روزگار 12
1.4: پاکستان میں زرعی شعبہ اور زرعی صنعت کا فروغ 15
پاکستان میں ٹیکسٹائل کی صنعت 16
2.1: برصغیر میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا آغاز 17
2.2: بنکنگ سیکٹر میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی 18
2.3: ملک گیر ٹریڈ یونینز فیڈریشن 20
3.1: گھر سے کام کرنے والے (ہوم بیسڈ) کارکنان 22
3.2: پاکستانی اقلیتیں اور ان کے مسائل 23
4.1: کاغذ چننے والے بچے 26
4.2: سرکاری سکولوں کی حالت زار اور پرائیویٹ سکولز 27
6.1: پاکستان میں 1973ء کے آئین کے تحت مزدوروں کے حقوق 32
7.1: راجپوت پولی تھین انڈسٹریز واقع سندر انڈسٹریل اسٹیٹ لاہور کا جان لیوا حادثہ بتاریخ 3 نومبر 2015 - چند اہم حقائق 40
7.2: پاکستان میں صنعتی و تجارتی اداروں سے اہم معلومات اور اعداد و شمار کے حصول کا ایک حل، سیلف ڈیکلریشن فارم 43
7.3: جی ایس پی پلس کے سلسلے میں صنعتی اداروں کے سروے کے نتائج 44
9.1: پاکستان میں مزدور انصاف کا عدالتی نظام کا ڈھانچہ 57
11.1: جی ایس پی پلس اور ٹریڈ یونینز کی ممکنہ منصوبہ بندی 65

پیش لفظ: پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی جی ایس پی پلس پر رپورٹ

پاکستانی عوام اور بالخصوص حکومت، صنعتکاروں اور مزدوروں کے لئے یہ امر باعث اطمینان ہونا چاہئے کہ یورپی یونین کے 28 ممالک کی طرف سے یکم جنوری 2014ء سے 10 سال کے لئے پاکستان کو جنرلائیزڈ اسکیم آف پریفرنسز پلس (GSP Plus) کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس عرصہ کے لئے پاکستان کی یورپی یونین کو ایکسپورٹ کی جانے والی 6000 سے زائد اشیاء جن میں ٹیکسٹائل اور ملبوسات سرفہرست ہیں۔ ڈیوٹی فری ہونگی اور پاکستان کو اپنی ایکسپورٹ میں جو دیگر ممالک کی جانب سے سخت تجارتی مقابلے کا سامنا ہے۔ اس میں پاکستان کی مقابلاتی سکت بہتر ہوجائے گی اور پاکستان اپنی برآمدات میں خاطر خواہ اضافہ کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔

جی ایس پی پلس کی اس اہم رعایت سے پاکستانی صنعتکار برآمدات کے ذریعے زیادہ منافع اور زرمبادلہ کما سکیں گے۔ حکومت کو قیمتی زرمبادلہ کے حصول کے فائدے کے ساتھ ٹیکسوں کی مد میں زیادہ آمدن ہوگی۔ صنعت میں مقامی اور عالمی نئی سرمایہ کاری کے فروغ کے امکانات بڑھنے اور موجود صنعتوں کو زیادہ جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ نئے خطوط پر استوار کرنے کے مواقع پیدا ہوگئے ہیں جس سے روزگار کے مواقع بڑھیں گے، بیروزگاری میں کمی ہوگی جس سے امن وامان کی صورتحال میں بہتری پیدا ہوسکتی ہے، جبکہ مزدور طبقہ کے لئے نئی ملازمتوں کے مواقع کے ساتھ ساتھ اس اسکیم سے حاصل ہونے والی اضافی آمدنی سے کچھ مخصوص حصہ حاصل کرنے اور دیگر مالی فوائد سے مستفید ہونے کا موقع مل سکتا ہے اور اس کے معیار زندگی میں بہتری آسکتی ہے۔

پاکستان کو دی جانے والی یہ رعایت اس امر سے مشروط ہے کہ پاکستان 27 عالمی کنونشنز جس کی اس نے توثیق کر رکھی ہے پر عملدرآمد کو یقینی بنائے گا۔ ان کنونشنز کا تعلق انسانی حقوق، ماحولیات، انسداد منشیات، اچھی طرز حکمرانی اور بدعنوانی کے خاتمے کے ساتھ مزدوروں کے بارے میں آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات سے ہے۔

یورپی کمیشن ایک ایسا ادارہ ہے جو ان کنونشنز پر عملدرآمد کی صورتحال کا تفصیلی جائزہ لے گا اور یہ کمیشن جنوری 2016ء کو اپنی پہلی دوسالہ رپورٹ یورپی پارلیمنٹ اور یورپی کونسل کو پیش کرے گا اور یہ رپورٹ ہر دوسال بعد جاری ہوتی رہے گی۔ یورپی پارلیمنٹ اور یورپی کونسل اس رپورٹ کی روشنی میں کنونشنز پر عملدرآمد کا جائزہ لے کر آئندہ جی ایس پی پلس کو مزید جاری رکھنے، جزوی یا کلی طور پر معطل کرنے یا یکسر اس کو منسوخ کرنے کے فیصلے پر قادر ہوگی۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن جو کہ مزدوروں کی سب سے بڑی اور نمائندہ تنظیم ہے۔ اس کے نزدیک اگرچہ انسانی حقوق، ماحولیات، اچھی حکمرانی، انسداد منشیات اور بدعنوانی کے خاتمہ کے کنونشنز کی اپنی جگہ مسلمہ حیثیت ہے اور ان پر عملدرآمد کے فقدان کی وجہ سے مزدوروں کی زندگی اور تحریک پر بھی نہایت منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، لیکن کنفیڈریشن کی زیادہ توجہ اس رپورٹ میں آئی ایل او کے مزدوروں کے بارے میں وہ آٹھ بنیادی کنونشنز اور ان پر عملدرآمد کی صورتحال پر ہوگی۔ بلاشبہ مزدور تنظیموں، ٹریڈ یونینز، فیڈریشنز اور کنفیڈریشن کے لئے آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات اور ان پر عملدرآمد انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ مزدوروں کے زیادہ تر مسائل کا حل ان بنیادی لیبر معیارات پر صحیح معنوں میں عملدرآمد سے جڑا ہوا ہے اور عملدرآمد کی صورت میں مزدوروں کے مسائل میں کافی کمی آسکتی ہے۔

اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے یہ اصولی فیصلہ کیا ہے کہ وہ جی ایس پی پلس کے حوالے سے مزدوروں کو درپیش مسائل اور چیلنجز اور آئی ایل او کے بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کی صورتحال اور اس سمت میں کسی مثبت پیش رفت کے حوالے سے اپنی رپورٹ مرتب اور جاری کرے۔ اس رپورٹ کے ذریعے کنفیڈریشن ان تمام بنیادی معیارات پر عملدرآمد کے لئے فوری، درمیانی عرصہ اور دوررس اقدامات کے لئے تجاویز بھی پیش کر رہی ہے۔

اس فیصلے اور عمل کو سنجیدگی سے آگے بڑھانے کے لئے پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے ایک ملک گیر سطح پر مرکزی کمیٹی تشکیل دی ہے اور پھر چاروں صوبوں میں صوبائی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں تا کہ نچلی سطح تک جی ایس پی پلس کے بارے میں آگاہی ہو اور پھر اس کی شرائط کے حوالے سے مزدوروں کو درپیش مسائل کا احاطہ کیا جاسکے۔ یہ رپورٹ ان امور پر روشنی ڈالے گی کہ آج مزدوروں کو کس طرح کے مسائل درپیش ہیں۔ لیبر قوانین پر عملدرآمد کی صورتحال کیا ہے انجمن سازی اور اجتماعی سوداکاری کا حق کتنے مزدوروں کو میسر ہے اور چائیلڈ لیبر، جبری مشقت، کام پر حفاظتی اقدامات، ہیلتھ اینڈ سیفٹی اور مزدوروں کے عدالتوں سے انصاف کے حصول میں کن دشواریوں کا سامنا ہے اور اگر جی ایس پی پلس کے بعد حکومتی اقدامات یا آجروں کی طرف سے لیبر قوانین پر عملدرآمد پر کوئی مثبت پیش رفت ہے تو اس پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔ کنفیڈریشن نے ایک معیاری سوالنامہ کے ذریعے تمام اہم صنعتی علاقوں سے ایک سروے بھی کروایا ہے، تا کہ نچلی سطح تک معلومات اکٹھی کی جاسکیں اور ان کی روشنی میں زمینی حقائق کو سامنے لایا جائے اور مستقبل میں ان حقائق میں کوئی مثبت اور مزدوروں کے حق میں پیش رفت ہو تو اس کا آئندہ جائزہ اور تجزیہ کیا جاسکے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ جی ایس پی پلس کے بعد لیبر قوانین پر عملدرآمد کے لئے کس قدر خوش دلی کے ساتھ کوششیں شروع کی گئی ہیں۔

بلاشبہ حکومت اور دیگر متعلقہ اسٹیک ہولڈرز کے لئے جی ایس پی پلس کی یہ رعایت بہت اہمیت رکھتی ہے اور اگر تمام فریق باہمی تعاون کے ساتھ ان بنیادی معیارات پر عملدرآمد کا تہیہ کرلیں تو پاکستان نہ صرف اندرونی طور پر بلکہ عالمی سطح پر بھی سرخرو ہو کر جی ایس پی پلس کے تمام فوائد سے لمبے عرصہ تک مستفید ہوسکتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اور کچھ دیگر سماجی تنظیمیں بھی جی ایس پی پلس کے حوالے سے متحرک ہیں اور وہ بھی اپنے لٹریچر سیمینارز اور دیگر سرگرمیوں کے ذریعے اپنے حلقہ اثر میں آگاہی مہم کے ساتھ جی ایس پی پلس کے حوالے سے کنونشنز پر عملدرآمد کے لئے حکومت کو متوجہ کر رہی ہیں۔ جس سے حکومت اور متعلقہ اسٹیک ہولڈرز پر ان کنونشنز پر عملدرآمد کے لئے اخلاقی اور سیاسی دباؤ میں اضافہ ہوگا۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد گزشتہ کئی عشروں سے مزدوروں اور ان کی تنظیموں کی آواز پر حکومت نے بہت کم توجہ دی ہے، بلکہ مزدوروں کو اکثر نظر انداز کیا گیا ہے، لیکن پاکستان ورکرز کنفیڈریشن جی ایس پی پلس کے اس سارے عرصہ میں مزدوروں کی ترجمانی کا فریضہ بھرپور طریقے سے سرانجام دیتے ہوئے مزدوروں سے متعلق بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کی صورتحال کو ملکی اور عالمی سطح پر اجاگر کرتی رہے گی، تا کہ مزدور طبقہ کے مفادات اور اس کے آئینی اور قانونی حقوق کا تحفظ ممکن ہو سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی یہ رپورٹ تمام ٹریڈ یونینز اور فیڈریشنز کو جی ایس پی پلس کے مقاصد اور ان کی روشنی میں مزدور تحریک کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے عملی پروگرام اور حکمت عملی طے کرنے میں ضرور سودمند ثابت ہوگی۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اس رپورٹ کی تیاری کے لئے فریڈریچ ایبرٹ اسفٹنگ (Friedrich Ebert Stifting) پاکستان آفس کے تعاون کی قدر کرتی ہے اور عبدالقادر کی بصیرت نے اس کام کی ترجیحات طے کرنے میں ہماری رہنمائی کی۔ کنفیڈریشن خصوصی طور پر اس رپورٹ کے مصنفین جناب چودھری محمد یعقوب اور جناب شوکت علی چودھری کی کاوشوں کی مشکور ہے۔ اس سلسلے میں جناب چودھری نسیم اقبال کی کوششوں کو بھی سراہتی ہے جنہوں نے اس رپورٹ کے انتظامات کرنے میں معاونت کی ہے۔ کنفیڈریشن کی نوجوانوں کی کمیٹی کے انچارج سعد محمد نے بڑی خوبی سے دفتری اور سفری انتظام نمٹائے۔

محمد ظہور اعوان

مرکزی صدر

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

باب 1: پاکستان میں محنت کی منڈی کی کیفیت اور باوقار روزگار کا فقدان

اس باب میں پاکستان کی محنت کی منڈی یعنی لیبر مارکیٹ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔اس کا مقصد ان شعبوں کا جائزہ لینا ہے۔جن میں پاکستان کو محنت کشوں سے متعلق آٹھ بنیادی کنونشنز پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کا چیلنج درپیش ہے۔

محنت کی منڈی کے جامع مطالعہ کے بغیر مزدوروں کے حقوق اور قوانین کے اطلاق اور نتائج کی واضح صورتحال سامنے نہیں آسکتی۔اس مقصد کے لئے محنت سے متعلق تمام شعبوں کا ایک جامع اعداد و شمار کا نظام درکار ہوتا ہے دوسرے شعبوں کی طرح شماریات کا اکٹھا کرنا اور تجزیہ کرنے کا نظام بھی ناقص ہے۔بہرحال دستیاب عداد و شمار منڈی کی ساخت و حرکیات کے ساتھ محنت کی منڈی کے بگڑے ہوئے انتظام اور کیفیت کی قابل فہم تصویر پیش کرتے ہیں۔

بنیادی حقائق

پاکستان کی محنت کش افرادی قوت 2013-14 کے لیبر سروے کے مطابق 60.1 ملین ہے۔یہ کل آبادی کا لگ بھگ 33 فیصد ہے ورکرز کی ایک بڑی تعداد جو اپنے کنبے کی اعانت میں غیر اجرتی سرگرمیوں میں مصروف ہے اس کو بھی شامل کرنے کے بعد افرادی قوت کی شرح 51.4 فیصد رہتی ہے۔تاریخی تناظر میں افرادی قوت کی شرح آبادی کی رفتار اور نوجوانوں کی شمولیت سے تیزی سے بڑھتی رہی ہے لیکن حالیہ سالوں میں مزید پریشان کن رجحانات دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً 2013-14 میں افرادی قوت میں اضافہ کی شرح سالانہ بنیاد پر انتہائی قلیل (0.36 ملین) ہے جسکی بنیادی وجہ معاشی حالات کی تیزی ہے جو افرادی قوت اور خصوصاً نوجوان کارکنوں کی معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی حوصلہ شکنی کر رہی ہے ۔اسکے علاوہ امن وامان کی صورتِ حال کی وجہ سے بھی معاشی ہجرت میں اضافہ ہوا ہے۔مزید پریشانی کی بات یہ ہے کہ 15-10 سال کے بچوں خصوصاً لڑکیوں کے کام کاج میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔شرح تعلیم کی کمی کے تناظر میں یہ بات وثوق سے کی جاسکتی ہے کہ خصوصاً دیہی علاقوں میں کنبہ کے لیے بلا معاوضہ کام کرنے کی تعداد میں تشویشناک اضافہ دیکھنے میں آچکا ہے ۔بے روزگاری اور بے روزگار نوجوانوں کی تعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے عمومی بے روزگاری(open unemployment) کی دستیاب 6.0 فیصد شرح ناقابلِ یقین محسوس ہوتی ہے۔2008ء سے معاشی نمو کی رفتار درکار شرح اور خطے کے ممالک کے تقابل میں انتہائی پست چلی آرہی ہے۔ایک مزید حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ گذشتہ عرصے کے دوران تیز نمو کے دور میں زراعت کے شعبہ میں روزگار کا حصہ 39.7 فیصد (2004ء) تھا بڑھ کر 42.4 فیصد (2008ء) تک جا پہنچا۔جبکہ حالیہ تخمینہ 43.4 فیصد ہے۔

جدول 1.1: پاکستان کی محنت کی منڈی کے منتخب اشاریے

	2003-04		2008-09		2012-13		2013-14	
	('000)	فیصد	('000)	فیصد	('000)	فیصد	('000)	فیصد
محنت کش افرادی قوت	45,059	100.0	55,770	100.0	59,740	100.0	60,100	100.0
بیروزگار	3,465	7.7	3,045	5.5	37,30	6.2	3,580	6.0
برسرروزگار	41,594	92.3	52,725	94.5	56,010	93.8	56,520	94.0
مجموعی روزگار میں زراعت	17,906	39.7	23,678	42.4	24,426	43.7	24,586	43.5
غیر زرعی شعبے میں روزگار	23,688	52.6	29,047	52.1	31,534	56.3	31,934	56.5
غیر زرعی منظم شعبے میں روزگار	7106	15.8	7,757	13.9	8,324	14.9	8,421	14.9
غیر زرعی غیر منظم شعبہ میں روزگار	16,582	36.8	21,290	38.2	23,210	41.4	23,512	41.6

لیبر فورس سروے

یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ نسبتاً بہتر اقتصادی صورتِ حال کے باوجود غیر زرعی شعبے میں ملازمتوں اور اُجرتوں کے معیار اور مقدار میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہ ہوئی۔ کارکن دوبارہ زرعی اور روایتی شعبوں کی طرف جانے پر مجبور ہوئے یا پھر دیہی علاقوں میں کم سن بچوں اور خواتین کارکنوں کی کنبہ میں بلا معاوضہ اعانت کو روزگار کی شرح میں شامل کر لیا گیا ہے۔ منظّم شعبہ میں افرادی قوت کی شرح روزگار تواتر سے زوال پذیر ہے جب کہ غیر محفوظ غیر رسمی شعبہ بھی افرادی قوت کی بڑھتی ہوئی تعداد کو جذب کرنے کی صلاحیت کھو رہا ہے۔

جدول 1.2 میں محنت کی منڈی اور روزگار سے متعلق چند منتخب اشارے دیئے گئے ہیں۔ مرد محنت کشوں کی شرکت کی شرح کم ہوئی ہے۔ ایک مثبت تبدیلی یہ ہے کہ خواتین محنت کشوں کی پست شرح شرکت میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اس اضافے کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں۔ اول 2003-04ء اور 2007-08ء کے درمیان یہ اضافہ شاید کنبے کے لئے بلا تنخواہ کام کرنے والی خواتین کو شامل کرنے کی وجہ سے ہوا۔ دوم 2008-09ء اور اس کے بعد یہ اضافہ شاید بلند گرانی (زیادہ مہنگائی) اور مردوں کے لئے روزگار کے مواقع کم ہونے کی بنا پر ہوا۔ اس وجہ سے خواتین کنبوں کی آمدنی میں اضافے کے لئے کام کاج ڈھونڈنے پر مجبور ہوئیں۔ اس مسئلے پر ہم امتیازات کے باب میں مزید بحث کریں گے

مختصراً یہ کہ جہاں خواتین کی افرادی قوت اور روزگار میں شمولیت مزدوروں کے مقابلے میں انتہائی پست ہے۔ وہاں خواتین میں بے روزگاری کی شرح مردوں سے نمایاں طور پر ابتری کا شکار ہے۔ انٹرمیڈیٹ اور ڈگری ہولڈر خواتین کی تقریباً ایک چوتھائی تعداد بیروزگاری کا شکار ہے۔ خواتین کارکنان کی تین چوتھائی اکثریت غیر اجرتی شعبوں میں کام کرتی ہیں۔

جدول 1.2: محنت کی منڈی اور روزگار سے متعلق منتخب اشاریے (فیصد)

اشاریہ	2003-04ء	2007-08ء	2012-13ء	2013-14ء
محنت کشوں کی شرح شرکت	50.7	52.5	53.1	51.4
مرد	82.7	82.4	81.1	
خواتین	18.0	21.8	24.3	22.2
مجموعی بیروزگاری کی شرح	7.4	5.0	6.2	6.0
مرد	6.2	4.0	5.3	5.1
خواتین	12.9	8.7	9.3	8.7
مجموعی روزگار میں زراعت کا حصہ	41.8	42.8	43.7	43.5
مرد	37.0	35.2	34.5	34.2
خواتین	67.7	73.8	75.7	74.0
روزگار میں اجرت اور تنخواہ دار ملازمین کا حصہ	35.8	37.1	38.8	39.1
مرد	39.8	40.6	43.0	43.0
خواتین	31.5	22.9	24.4	26.4
خود روزگار کارکنوں کا حصہ	38.6	35.9	33.6	35.4
مرد	42.9	41.2	38.9	40.5
خواتین	17.0	13.9	15.0	18.6
غیر منظّم سیکٹر میں روزگار کا حصہ (غیر زرعی سیکٹر)	69.4	72.3	73.6	73.6
مرد	69.9	72.4	73.8	73.7
خواتین	64.5	71.7	71.7	73.0
50 گھنٹے یا زائد کام کرنے والوں کا حصہ	42.7	39.3	36.3	
مرد	48.9	47.0	44.4	
خواتین	11.6	7.6	7.3	

لیبر فورس سروے

جدول 1.3 اور 1.4 کی اس روزگار کی صنفی تقسیم کی بالترتیب شعبہ وار اور پیشہ وارانہ صورتحال سامنے لاتے ہیں اور واضح کرتے ہے کہ خواتین کا روزگار بڑی حد تک روایتی شعبوں اور پیشوں اور ذاتی وسماجی خدمات (جیسے ذاتی رہائش کی تعمیر ومرمت) میں مرکوز ہے۔ اِن خواتین کو باروزگار قرار دینے سے انکی محنت کی منڈی میں شمولیت کے اعداد تو بڑی حد تک بڑھ جاتے ہے۔لیکن یہ روزگار خواتین کارکنوں کو معاشی وسماجی فوائد میں کوئی حصہ نہیں دلاتا چونکہ غیر اجرتی کارکنوں کی اکثریت خواتین کارکنوں پر مشتمل ہے۔ جو زراعت اور کنبہ کی دیکھ بھال میں مصروف ہیں اور پیداوار میں اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔لیکن ان کی محنت کو معاوضہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔

لہٰذا ہماری زرعی پیداوار کا قومی معشیت میں حصہ قدرے کم ظاہر ہوتا ہے پیشہ وارانہ تعلیم میں ایک قدرے اطمینان کی بات ہے کہ تین چوتھائی سے زیادہ کارکن خواتین پیشہ ور یا ہنرمند زرعی کارکن ہیں نہ صرف یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہنرمند کارکنوں کی تعداد میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہوا ہے بلکہ اس چیلنج کی طرف بھی ہماری توجہ دلاتا ہے کہ خواتین کو پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو تیزی سے ترقی دینے کی ضرورت ہے خاص طور پر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ آج پاکستان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ (ڈگری پوسٹ گریجویٹ، پی ایچ ڈی) افراد میں تقریباً 40 فی صد خواتین ہیں۔

جدول 1.3: اہم شعبوں میں برسرروزگار افراد کی تقسیم (فیصد)

اہم صنعتی شعبے	2012-2013			2013-2014		
	خواتین	مرد	کل مرد و خواتین	خواتین	مرد	کل مرد و خواتین
ٹوٹل	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0
زراعت، جنگلات، ماہی گیری	74.0	34.2	43.5	75.7	34.5	43.7
صنعت وحرفت	12.3	14.7	14.2	10.7	15.0	14.1
تعمیرات	0.3	9.5	7.3	0.2	9.5	7.4
تھوک اور پرچون فروشی	1.6	18.5	14.6	1.5	18.1	14.4
نقل وحمل، ذخیرہ اور مواصلات	0.2	7.1	5.5	0.2	7.0	5.5
سماجی اور نجی خدمات	11.5	13.7	13.1	11.5	13.9	13.3
کان کنی، بجلی، گیس، پانی، جائیداد، لاء کاروباری خدمات مالیات و بیمہ، خارجی تنظیمیں اور ادارے	0.1	2.3	1.8	0.2	2.0	1.6

لیبر فورس سروے

جدول 1.4: اہم پیشہ ورانہ گروپس میں برسرروزگار افراد کی تعداد (فیصد)

اہم پیشہ ورانہ گروپس	2012-2013			2013-2014		
	خواتین	مرد	کل مرد و خواتین	خواتین	مرد	کل مرد و خواتین
ٹوٹل	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0
مینیجرز	0.3	3.0	2.4	0.3	2.1	1.7
ماہرین	6.3	3.6	4.2	5.9	4.1	4.6
ٹیکنیشن اور ماتحت	1.7	3.4	3.0	1.2	3.3	2.8
کلرک	0.2	1.7	1.4	0.2	1.9	1.5
سروس اور سیلز ورکرز	1.9	19.5	15.5	2.2	20.3	16.1
زراعت، جنگلات اور ماہی پروری کے تربیت یافتہ ورکرز	63.9	30.1	37.7	62.4	30.4	37.8
کاریگر اور متعلقہ بیوپاری	10.2	16.0	14.7	11.7	14.8	14.1
پلانٹ مشینری آپریٹرز اور اسمبلرز	0.2	6.1	4.8	0.3	7.7	6.0
غیر ہنرمند اور ابتدائی پیشہ ور کارکنان	15.3	16.6	16.3	15.7	15.4	15.5

لیبر فورس سروے

1.1: پاکستان میں صنعتی یونٹس کی صورتحال

پاکستان میں تقریباً تمام ہی شہروں اور صنعتی علاقوں میں یہ صورت حال موجود ہے کہ جہاں بہت سے یونٹس باضابطہ رجسٹرڈ ہیں وہاں بے شمار یونٹس غیر رجسٹرڈ ہیں خاص کر چھوٹے یونٹس کے مالکان اپنے اداروں کو رجسٹرڈ کروانے سے اجتناب کرتے ہیں ان چھوٹے یونٹس میں 5،10 یا 20 سے 50 تک مزدور کام کرتے ہیں۔ان یونٹس میں اکثر شرائط ملازمت، اجرت اور دیگر لوازمات بارے زبانی معاملات طے ہوتے ہیں۔ان غیر رجسٹرڈ یونٹس میں صحت وسلامتی کے مسائل کافی سنجیدہ نوعیت کے ہیں، جبکہ ان یونٹس پر لیبر قوانین کا اطلاق تو ایک ادھورا خواب ہی ہے۔ان اداروں میں طبی سہولیات کم از کم اجرت، باتنخواہ چھٹیاں اور لیبر انسپکشن کا سوال ہی نہیں ہے۔اس صورتحال سے ان مزدوروں کو ناقابل تلافی نقصان ہو رہا ہے۔

ان غیر رجسٹرڈ کارخانوں میں خدانخواستہ حادثات کی صورت میں صورت حال انتہائی گھمبیر ہوسکتی ہے، کیونکہ رہائشی علاقوں اور تنگ گلیوں میں ان کی بروقت امداد کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ان تمام غیر رجسٹرڈ یونٹس کی نوعیت بالکل غیر رسمی شعبہ جیسی بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ باقاعدہ چار دیواری کے اندر اجتماعی محنت کے تحت پیداوار کرتے ہیں اور مختلف بڑے یونٹس کے آرڈر پر تیار مال سپلائی کرتے ہیں۔ جیسے وینڈرز کے یونٹس وغیرہ جو دھڑا دھڑ سپیئر پارٹس تیار کرتے ہیں۔ اکثر ان میں سکلڈ لیبر کام کرتی ہے، لیکن ان کی سوشل سکیورٹی اور EOBI وغیرہ میں رجسٹریشن نہیں ہوتی، اگرچہ یہ یونٹس لیبر قوانین کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن لگتا ہے کہ محکمہ محنت کے کارندے ان اداروں سے بھی نذرانہ ضرور لیتے اور ان سے دیدہ دانستہ صرف نظر کرتے ہوں گے۔ مہلک حادثات، مہلک بیماریوں اور معذوری وغیرہ کی

صورت میں ان کارخانوں کے مزدور انتہائی غیر محفوظ ہیں، لیکن عام بیروزگاری کی وجہ سے ان بدترین حالات میں بھی کام کرنے پر مجبور ہیں۔

رجسٹریشن کے لئے تجاویز:

1- ان تمام غیر رجسٹرڈ اداروں کی رجسٹریشن کیلئے حکومت تمام مالکان کو ایک مخصوص عرصہ کے اندر اندر بذریعہ میڈیا وارننگ دے سکتی ہے کہ وہ مقررہ مدت مثلاً دو ماہ کے اندر اندر لازمی طور پر اپنی رجسٹریشن کروالیں بصورت دیگر ان پر بھاری جرمانہ عاید کیا جائے گا اگر حکومت سنجیدگی کا مظاہرہ کرے تو زیادہ تر مالکان رجسٹریشن کے لئے رجوع کر سکتے ہیں۔

2- حکومت کسی ایسے پرائیویٹ ادارہ کو اس امر کا ٹھیکہ دے یا خود ہی پڑھے لکھے بیروزگار نوجوانوں کو اس امر کیلئے کنٹریکٹ پر رکھ لے اور ان کو علاقے بانٹ دیئے جائیں اور یہ نوجوان مکمل سروے کے بعد رپورٹ مرتب کریں اور پھر ان اداروں کی رجسٹریشن کی جائے نیز سروے کے زریعے ان اداروں کی عمارتیں ہنگامی حالت میں ان کی عمارتوں تک رسائی کی صورت حال اور ان میں موجود صحت وسلامتی کے امور بارے بھی معلومات جمع کی جائیں۔

3- دوررس اقدامات یہ ہوسکتے ہیں کہ حکومت واپڈا، سوئی گیس کمپنیوں اور بنکس وغیرہ کو اس امر کا پابند کرے کہ جب تک کوئی یونٹ رجسٹریشن کا سٹیفکیٹ نہ دکھائے اس کا بجلی اور گیس کی سپلائی بنک سے قرضہ وغیرہ کی سہولت نہ مل سکے۔

پاکستان میں ملازمتیں دینے کا طریقہ کار اور مزدوروں کے حقوق کی نفی

پاکستان میں بیروزگاری کی وجہ سے مزدوروں کو ملازمتوں کے حصول میں بے شمار دشواریوں کا سامنا ہے اور ان کی اسی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے آجروں نے مزدوروں کو ملازمتیں دینے میں ایسے خودساختہ طریقے اور حربے ایجاد کر لئے ہیں۔ جن سے مزدوروں کو خواہ مخواہ اپنے بنیادی انسانی اور قانونی حقوق سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔

کتنی عجیب صورتحال ہے کہ لمبے عرصہ سے مستقل نوعیت کی پیداوار کرنے والے اداروں اور فیکٹریوں میں آج عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کا دور دورہ ہے اور تو اور سرکاری اور نیم سرکاری اداروں، کارپوریشنز حتی کہ کالجوں اور یونیورسٹیز تک میں یہ عارضی اور کنٹریکٹ سسٹم سرایت کر گیا ہے۔ آج صنعتوں میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اگر پچاس مزدور مستقل ہیں تو پانچ سو مزدور عارضی یا کنٹریکٹ لیبر پر کام کر رہے ہیں اور یہ مزدور مسلسل روزگار کے عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے ٹریڈ یونین کے ممبر نہیں بن پاتے اور ٹریڈ یونین کا حصہ بننے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس سے باہر ہیں۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب کسی متوقع ادارہ کی قابل عمل (feasibility) ہونے کی رپورٹ تیار ہوتی ہے تو اس میں مشینری کے علاوہ ملازمتوں کا بھی ایک چارٹ مرتب کیا جاتا ہے اور یہ طے ہوتا ہے کہ کس آسامی پر کس قابلیت اور تجربہ کے مزدور کو ملازمت دی جائے گی۔ لیکن آج مزدوروں کو تقسیم کرنے اور ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اور مزدوروں میں یہ احساس پیدا کرنے کے لئے کہ وہ ہر لحاظ سے آجروں کے رحم وکرم پر ہیں تقریباً تمام اداروں میں عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کا حربہ آزمایا جارہا ہے۔ پاکستان میں مستقل طور پر پیداوار یا کام کرنے والے اداروں اور مستقل آسامیوں پر ملازم رکھنے کی کئی شکلیں اور طریقہ کار ہیں جن کے ٹریڈ یونین تحریک پر دوررس اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

باقاعدہ مستقبل نوعیت کی ملازمت:

ملازمت کی اس شکل میں مزدوروں اور ملازمین کو باضابطہ تقرری کے لیٹر دیئے جاتے ہیں جن میں شرائط ملازمت اور دیگر حقوق و مراعات کا ذکر ہوتا ہے اِن مزدوروں کا سروس ریکارڈ اور متعلقہ اداروں جیسے سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن کروائی جاتی ہے ان کے لیے کینٹین اور فیئر پرائس جیسی سہولیات میسر بھی ہوتی ہیں اور ان کو ملازمت سے برطرف کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ قانونی لوازمات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

عارضی/ڈیلی ویجیز یا ورک چارج ملازمین:

اگر چہ ان مزدوروں کی اکثریت بھی مستقل آسامیوں پر ہی کام کرتی ہے لیکن ان کی ملازمت کی نوعیت عارضی اور یہ مسلسل عدم تحفظ کا شکار رہتے ہیں۔ ان کو ہفتہ وار بانتخواہ تعطیل بھی نہیں ملتی اور ان پر یہ مسلسل نفسیاتی دباؤ رہتا ہے کہ وہ کسی یونین کے ممبر نہیں بن سکتے۔ ان کو ملازمت سے برطرف کرنے کے لیے کسی شوکاز یا برطرفی کے لیٹر یا انکوائری وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بس ان کو زبانی بتا دیا جاتا ہے کہ وہ مزید ڈیوٹی پر نہ آئیں۔ بہت سی فیکٹریوں، اداروں حتی کہ سرکاری محکموں میں بھی اب مستقل آسامیوں پر ڈیلی ویجز مزدوروں اور ملازمین کو ملازم رکھا جاتا ہے تاکہ خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے دباؤ میں رہیں اور انتظامیہ اور مالکان کی من مرضی کے آگے سرتسلیم خم رکھیں۔ ان کے اوقات کار بھی

اکثر زیادہ ہوتے ہیں اور اوورٹائم وغیرہ سے بھی محروم رہتے ہیں اکثر ان کی سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں بھی رجسٹریشن نہیں ہوتی۔ ان مزدوروں کی اکثریت ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے دور رہتی ہے، اگر دیکھا جائے تو ٹریڈ یونینز کی قوت کو کمزور رکھنے کے لیے تاجروں اور حکومت کا یہ سب سے بڑا حربہ ہے اصولی طور پر کسی مستقل جاب پر 90 روز کے لیے مسلسل کام کرنے والا مزدور مستقل ہونا چاہیے لیکن پاکستان میں چونکہ لیبر قوانین پر عملدرآمد ایک ادھورا خواب ہے اس لیے ڈیلی ویجز اور ورک چارج ملازمین مسلسل شدید استحصال کا شکار اور بہت سے قانونی حقوق ومراعات سے بلاوجہ محروم ہیں۔

ٹھیکیداری ملازمین:

اس طریقہ ملازمت میں ملازمت کسی ٹھیکیدار کے ذریعے دی جاتی ہے یا کاغذوں میں ظاہر کی جاتی ہے۔ اکثر فیکٹریوں اداروں اور محکموں میں مستقل آسامیوں پر ٹھیکیداری نظام جاری ہے لیکن کوئی ادارہ یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ یہ ٹھیکیداری نظام کیونکر رائج ہے ان مزدوروں اور ملازمین کی ملازمت بھی مسلسل غیر یقینی صورتحال کا شکار رہتی ہے اکثر ٹھیکیدار بااثر ہوتے ہیں جو مزدوروں کو مسلسل دباؤ میں رکھتے ہیں ان مزدوروں کو ملازمت پر تقرری نامہ یا سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن کی سہولت نہ ہونے کے برابر ہے ان کو کم از کم اجرات اور دیگر سہولیات ومراعات بھی نہیں ملتی یہ مزدور شدید عدم تحفظ کا شکار ہیں

1.2: ٹھیکیداری نظام

اس وقت پاکستان کے غیر سرکاری اداروں میں یہ نظام پوری طرح رائج ہے۔ 1986ء سے قبل صورت حال ایسی نہ تھی، لیکن 1986ء کے بعد ٹھیکیداری اور ڈیلی ویجز کے نظام نے بہت فروغ پایا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سرکاری اداروں کے علاوہ غیر سرکاری ادارے بھی ڈیلی ویجز ملازمین کو ملازمت دینے میں ترجیح دینے لگے ہیں۔ ٹھیکیداری نظام میں، جس ادارے کو کام کے لئے مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اپنی اس ضرورت سے، اس مقصد کے لئے قائم کردہ اداروں کو آگاہ کرتے ہیں۔ وہ ادارے جن کا کام ہی ''مزدور سپلائی'' کرنا ہے، اپنا ایک طے شدہ کمیشن وصول کر کے ضرورت مند فیکٹریوں، کارخانوں اور دفاتر وغیرہ کو مزدور سپلائی کر دیتے ہیں۔ وہ مزدور، جن میں ہنرمند، نیم ہنرمند اور کاریگر ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے تمام تر معاملات کا ذمہ دار، انہیں سپلائی کرنے والا ''ادارہ'' یا ٹھیکیدار ہوتا ہے۔ اکثر جگہوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان ملازمین کو تنخواہ بھی ٹھیکیدار ہی ادا کرتا ہے۔ ٹھیکیداری نظام کے تحت کام کرنے والے ملازمین کو کسی قسم کا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ ٹھیکیدار یا ادارے کے کرتا دھرتا جب چاہیں ایسے ملازمین کی ملازمت ختم کر دیتے ہیں۔ ایسے ملازمین کو ملازمت دیتے وقت کوئی تقرری نامہ بھی نہیں دیا جاتا اور نہ ہی ایسے ملازمین کی سوشل سکیورٹی یا EOBI میں رجسٹریشن ہی کی جاتی ہے۔ انہیں متعلقہ ادارہ جس میں وہ ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہوتے ہیں کی طرف سے کوئی اضافی سہولت بھی فراہم نہیں کی جاتی، یہاں تک کہ ایسے ملازمین، اگر اس ادارے میں کینٹین موجود ہو تو وہ اس کینٹین سے رعایتی نرخوں پر کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ کھانا، کھانا تو رہا ایک طرف وہ اس کینٹین میں داخل بھی نہیں ہو سکتے۔ ایسے ملازمین پر نہ تو کم سے کم تنخواہ کے قانون کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ ہی دیگر کسی قسم کی مراعات ملتی ہیں۔ ان ملازمین سے کام بھی 8 گھنٹے سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ غیر سرکاری اداروں کے علاوہ سرکاری ادارے جیسے پاکستان ریلوے، پی آئی اے، واپڈا، واسا، پی ایچ اے وغیرہ میں بھی ٹھیکیداری نظام کے تحت ملازمین کو بھرتی کرنے کا رواج فروغ پا چکا ہے۔ پاکستان ریلوے جیسے قومی ادارے میں، ریلوے کے ذیلی اداروں ''پراکس'' اور ''ریل کاپ'' کے ذریعے ڈیلی ویجز ملازمین کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ ایسے ملازمین کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو عرصہ 10,10 سال سے ڈیلی ویجز کے طور پر کام کر رہے ہیں اور انہیں کم سے کم تنخواہ بھی نہیں دی جاتی۔ وہ سوشل سکیورٹی اور EOBI کے ممبر بھی نہیں ہیں۔ زخمی یا بیمار ہونے کی صورت میں انہیں علاج معالجے کی سہولت حاصل نہیں ہے۔ ایسے ملازمین کی حیثیت Bonded Labour کی سی ہے۔ ان ملازمین سے جبری مشقت بھی لی جاتی ہے۔ قانون میں گنجائش موجود ہونے کے باوجود ایسے ملازمین کو یونین بنانے کی اجازت نہیں ہے نہ ہی وہ کسی یونین کے ممبر مانے جاتے ہیں۔ نیوز اور پرنٹ میڈیا میں یہ نظام پوری شدت سے موجود ہے، جہاں سرے سے کسی یونین کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ ٹیکسٹائل سیکٹر، ہوزری، گارمنٹس اور مینوفیکچرنگ کے دیگر اداروں کے علاوہ سروسز مہیا کرنے والے اداروں میں ٹھیکیداری اور ڈیلی ویجز نظام اپنے عروج پر ہے۔

تعریف کی رو سے ''کنٹریکٹ لیبر سے مراد وہ ورکرز ہیں جو کسی مخصوص کام کے لئے محدود وقت کے لئے ملازم رکھے جاتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک میں ایسے مزدوروں کو کسی کنٹریکٹر کے ذریعے ملازم رکھا جاتا ہے۔ وہ ٹھیکیدار ان ورکرز کو اپنی طے شدہ فیس یا کمیشن لے کر ایمپلائر کو سپلائی کرتا ہے۔ ایسے ملازمین کو ان کے کام پر خاص پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کے کام کی نوعیت اکثر Bounded Labour جیسی ہوتی ہے''۔ پنجاب کے دارالحکومت لاہور اور راولپنڈی اسلام آباد میں میٹرو ٹرانسپورٹ سسٹم تعمیر کیا گیا ہے۔ اس ٹرانسپورٹ میں کام کرنے والا عملہ ڈیلی ویجز عملہ ہے۔ اس عملہ کو کم سے کم تنخواہ سمیت کوئی سہولت میسر نہیں ہے۔ جب سے یہ سسٹم شروع ہوا ہے اب تک 2 مرتبہ اس کے ملازمین اپنے مطالبات کے حق میں مظاہرے کر چکے ہیں۔ یہ سسٹم پنجاب گورنمنٹ کے مالی تعاون سے چل رہا ہے۔ اس سسٹم کا بڑا حصہ دار ترکی کا ٹرانسپورٹ کا ادارہ ''البراق'' ہے۔ اسے حکومت پنجاب طے شدہ معاہدے کے تحت تقریباً 2 ارب روپیہ سالانہ سبسڈی کی مد میں دیتی ہے۔ تعلیم اور صحت کے شعبہ جات میں بھی صورتحال ایسی ہی ہے۔ حکومت ڈیلی ویجز ملازمین کو نوکریوں میں ترجیح دیتی ہے اور یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ان ملازمین کو وقت پر تنخواہ ادا نہیں کی جاتی، آئے روز یہ ڈیلی ویجیز ملازمین، جن میں خواتین کی بھی بڑی تعداد شامل ہے سڑکوں پر تنخواہیں نہ ملنے پر احتجاج کر رہے ہوتے ہیں۔

پیس ریٹ ورکرز:

ٹھیکیداری کے بعد پیس ریٹ پر کام کرنے والے مزدور بھی کافی تعداد میں ہیں ان کا معاوضہ کسی بھی پیس کو تیار کرنے کے عوض دیا جاتا ہے اس میں ہوم بیسڈ ورکرز کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے لیکن یہ وبا فیکٹریوں میں بھی موجود ہے پیس ریٹ پر مزدوروں کو طبی سہولیات اور دیگر مراعات کم ہی ملتی ہیں ان کی ہفتہ وار چھٹی اور دیگر سہولیات کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ یہ مزدور بھی ٹریڈ یونینز سے دور رہتے ہیں اور غیر یقینی صورتحال اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے ٹریڈ یونین تحریک کا حصہ نہیں بن سکتے۔

درج بالا تقسیم کی وجہ سے مزدوروں کو مختلف درجوں میں تقسیم کر کے ان کی اجتماعی قوت کو کمزور کر دیا جاتا ہے جس سے ٹریڈ یونین کے لئے مستقل روگ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے بر سرِ روزگار افراد کی مختلف درجوں میں یہ تقسیم (Employment Status) ہی ہے جس سے تمام بنیادی کنونشنز اور لیبر قوانین کی سرعام خلاف ورزی اور مزدوروں کا استحصال ہوتا ہے۔

جدول 1.5 میں اس اہم مسلے کی نشاندہی کی گئی ہے کہ روزگار کی منڈی میں جہاں کُل ملازمین کا 40 فیصد (خواتین 25 فیصد) اجرتی ملازمین ہیں وہاں اُن اجرتی ملازمین کی صرف نصف تعداد باقاعدہ مقررہ تنخواہ (regularly paid with fixed rates) پر ملازم ہیں باقی نصف عارضی، جزوقتی اور پیس ریٹ پر اپنا روزگار کماتے ہیں 35 فیصد خود روزگار (خواتین 19 فیصد) اور 25 فیصد (خواتین 55 فیصد) بلا معاوضہ کنبے کی اعانت پر مامور ہیں۔ غرض یہ کہ تقریباً 80 فیصد برسرِ روزگار افراد غیر یقینی صورتحال میں کام کر رہے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ اس صورتِ حال میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نظر نہیں آتی۔

محنت کی منڈی میں امتیازات کا ایک بہت واضح پہلو مرد و خواتین کارکنان کی اجرتوں میں غیر معمولی فرق ہے۔ جیسا کہ جدول 1.6 اور 1.7 میں دیکھا جا سکتا ہے دونوں جدول اس بات کی نشاندہی کرتی ہے معیشت کہ چند اعلیٰ شعبوں اور پیشوں کو چھوڑ کر خواتین کی اجرت مرد کارکنان کی نسبت غیر معمولی طور پر کم ہے۔ خواتین کی بھاری اکثریت (86 فیصد) زراعت اور صنعت و حرفت کے شعبوں سے وابستہ ہے جہاں ان کی اجرت مردوں کے مقابلے میں 60 فیصد تک کم ہیں۔

جدول 1.5: اجرت اور تنخواہ دار روزگار کمانے والے کارکنان کی درجہ بندی (فیصد)

ملازمت کی حیثیت	2003-2004	2012-2013
کل اجرتی تنخواہ دار ملازمین کی شرح		
مرد و خواتین	38.5	39.7
مرد	39.8	43.8
خواتین	31.5	24.9
باقاعدہ مقررہ تنخواہ پر ملازمین کی شرح		
مرد و خواتین	50.8	50.2
مرد	52.3	51.8
خواتین	41.4	39.8
عام اجرتی تنخواہ دار کارکنان کی شرح		
مرد و خواتین	27.7	31.2
مرد	29.8	33.5
خواتین	14.2	16.8
عارضی اور جزوقتی معاوضہ پر کام کرنے والے ملازمین کی شرح		
مرد و خواتین	20.7	18.0
مرد	17.1	14.1
خواتین	44.2	42.9
اجرتی شاگرد		
مرد و خواتین	0.7	0.6
مرد	0.8	0.6
خواتین	0.2	0.5

Pakistan Employment Trend 2013

جدول 1.6: اہم صنعتوں میں مردوں کے مقابلے خواتین کی اجرتوں میں فرق 2013-2014

اہم صنعتی شعبے	خواتین کا روزگار (فیصد)	تنخواہوں کا تناسب خواتین/مرد (فیصد)
زراعت، جنگلات، شکار اور ماہی گیری	74	53.0
صنعت و حرفت	12.3	39.0
تعمیرات	0.3	77.6
تھوک اور پرچون فروشی	1.6	95.6
نقل و حمل ذخیرہ اور مواصلات	0.1	137.0
سروسز (خدمات)	0.2	88.4
معاشرتی اور انفرادی خدمات	11.5	65.1

لیبر فورس سروے

جدول 1.7: بنیادی پیشوں میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تنخواہوں کا فرق 14-2013ء

اہم پیشے	خواتین کا روزگار (فیصد)	تنخواہوں کا تناسب خواتین/مرد (فیصد)
منیجرز	0.3	68.4
ماہرین	5.9	63.5
ٹیکنیکی اور معاون ماہرین	1.2	65.8
کلرک	0.2	74.1
خدمات مہیا کرنے والے کارکن	2.2	73.2
زرعی، جنگلات اور ماہی گیری کے ہنر مند ورکرز	62.4	45.5
کاریگر	11.7	38.9
پلانٹ/مشین آپریٹرز اور اسمبلرز	0.3	75.2
غیر ہنر مند ابتدائی پیشہ ور کارکن	15.7	48.8

لیبر فورس سروے

محکمہ محنت اور دیگر تمام حکومتی ادارے اس غیر قانونی اور غیر اخلاقی پریکٹس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن کوئی بھی ادارہ یہ معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ آخر ایک ہی ادارے میں اس کے پیداواری عمل میں حصہ لینے والے ان مزدوروں یعنی مستقل عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کے تحت کام کرنے والے مرد و خواتین مزدوروں کے کام کی نوعیت کس طرح مختلف ہے اور اگر یہ تمام مزدور ان مشینوں پر سال ہا سال سے مل کر کام کر رہے ہیں تو پھر ان میں سے اتنی بڑی تعداد میں مزدور روزگار کے عدم تحفظ اور دیگر حقوق و مراعات اور سہولیات سے کیوں محروم ہیں؟

اگر ہم گزشتہ کچھ سالوں کی مزدوروں کی جدوجہد کا جائزہ لیں تو اس تمام عرصہ میں جس مسئلہ پر سب سے زیادہ شورش، دھرنے اور مظاہرے ہوئے ہیں وہ عارضی ٹھیکیداری سسٹم کے تحت کام کرنے والے ملازمین کو مستقل کرنے کا مطالبہ سامنے آتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں لیڈی ہیلتھ ورکرز اور اساتذہ اور دیگر سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے مزدوروں کی جدوجہد نہایت شاندار رہی ہے اور اس کے ان کے حق میں مثبت نتائج بھی نکلے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ مزدور پہلے سے ہی مستقل نوعیت کے کام پر ملازم تھے اور یہ ان کا حق تھا کہ ان کو مستقل مزدور کا درجہ دیا جائے۔

یہ عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کی وبا کس قدر عام ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے الیکٹرانک میڈیا ہاؤس جنہوں نے پاکستانی سیاست اور سماجی معاملات میں آئے روز ہل چل مچا رکھی ہے اور ان کا منافع بھی کم نہیں ہے۔ ان میڈیا ہاؤسز میں کام کرنے والے 90 فیصد سے زائد ملازمین عارضی یا کنٹریکٹ لیبر کے تحت کام کر رہے ہیں یہ ایک طرح سے رسمی شعبہ کے مزدوروں کو غیر رسمی شعبہ کے درجہ کی طرف دھکیلنا ہے۔

جن اداروں میں ٹریڈ یونینز مضبوط ہیں۔ وہ عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کو ڈیمانڈ نوٹس کے ذریعے مستقل کروانے کے لئے جدوجہد کرتی ہیں اور وہ مکمل یا جزوی طور پر کامیاب بھی ہو جاتی ہیں، لیکن جہاں ٹریڈ یونینز نہیں ہیں یا کاغذی یونینز ہیں وہاں یہ عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کی پریکٹس مسلسل جاری ہے۔ ہماری عدالت عالیہ و عظمیٰ کے بڑے واضح فیصلے موجود ہیں۔ جن کے تحت انہوں نے کسی بھی ادارے کے تمام مزدوروں کے حقوق و مراعات کی بنیادی ذمہ داری اصل آجر یا مالک پر عائد کی ہے، لیکن پھر بھی یہ غیر قانونی پریکٹس جاری ہے۔ ٹریڈ یونین تحریک کو سب سے زیادہ نقصان اس عارضی اور کنٹریکٹ سسٹم کی وجہ سے پہنچ رہا ہے۔

اجرتیں اور کارکنان کے مسائل

گزشتہ چند برسوں کے دوران حقیقی اجرتوں میں متضاد شواہد سامنے آئے ہیں۔ جدول 1.8 میں علاقے کے لحاظ سے دو ادوار 2001ء تا 2008ء اور 2008ء تا 2013ء میں ہنرمند اور غیر ہنرمند کارکنوں کی حقیقی اجرتوں میں سالانہ اضافہ دکھایا گیا ہے۔ ایک واضح رجحان سامنے آتا ہے۔ پہلے دور 2001ء تا 2008ء میں حقیقی اجرتیں بڑھیں، لیکن 2008ء اور اس کے بعد خاصی کم ہوئیں۔ یہ صورتحال محنت کی منڈی کے بدلتے ہوئے حالات اور محنت کی پیداواریت کی سست نمو سے ہم آہنگ ہے، جیسا کہ جدول 1.9 میں دیا گیا ہے۔

جدول 1.8: حقیقی اجرتوں کا رجحان اجرتوں میں سالانہ اضافہ (فیصد)

	2001 تا 2008		2008 تا 2013	
ہنرمند کارکن a	ظاہری اجرتوں کی شرح نمو	حقیقی اجرتوں کی شرح نمو	ظاہری اجرتوں کی شرح نمو	حقیقی اجرتوں کی شرح نمو
اسلام آباد	15.0	6.5	8.4	-2.6
کراچی	9.8	1.3	4.0	-7.0
لاہور	10.5	2.0	5.3	-5.7
پشاور	11.7	3.2	6.4	-4.6
کوئٹہ	13.3	4.8	8.4	-2.6
ہنرمند کارکن b				
اسلام آباد	15.0	6.5	8.4	-2.6
کراچی	11.2	2.7	5.1	-5.9
لاہور	11.3	2.8	4.4	-6.6
پشاور	12.1	3.6	7.9	-3.1
کوئٹہ	13.3	4.8	12.9	1.9
غیر ہنرمند کارکن				
اسلام آباد	14.0	5.5	11.8	0.8
کراچی	9.8	1.3	7.4	-3.6
لاہور	10.9	2.4	9.6	-1.4
پشاور	14.6	6.1	14.9	3.9
کوئٹہ	17.0	8.5	12.9	1.9

a: بڑھئی   b: راج مستری   پاکستان اکنامک سروے

جدول 1.9: محنت کی پیداواریت کے رجحانات (ارب روپے 2005-06ء کی قیمتوں پر)

	2005-06	2012-13
زراعت		
قدر اضافی	1775.6	2152.3
روزگار (ملین)	20.54	22.73
محنت کی پیداواریت	86446	87032
		(0.10 فیصد)
صنعت		
قدر اضافی	1616.1	2129.1
روزگار (ملین)	9.82	12.54
محنت کی پیداواریت	164572	169786
		(0.45 فیصد)
خدمات		
قدر اضافی	4324.3	5945.3
روزگار (ملین)	17.01	19.13
محنت کی پیداواریت	254221	308353
		(2.80 فیصد)
مجموعی ملکی پیداوار (جی ڈی پی)		
قدر اضافی	7716.0	10226.7
روزگار (ملین)	47.37	56.58
محنت کی پیداواریت	162888	180746
		(1.50 فیصد)

پاکستان اکنامک سروے

تاہم لیبر فورس سروے کے اعداد و شمار سے مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔ جدول 1.10 کے مطابق معیشت کے چند تر شعبوں میں حقیقی اجرتیں بڑھتی رہی ہیں۔ دو شعبوں، یعنی زراعت اور خدمات میں کمی دیکھی گئی ہے۔ حقیقی اجرتوں میں سب سے زیادہ اضافہ نظم عامہ (پبلک ایڈمنسٹریشن) کے شعبے میں ہوا ہے۔ اس وقت کی حکومت کی سرکاری ملازمین کے لئے تنخواہوں میں اضافے کی کھلی پالیسی کی عکاسی ہوتی ہے۔

جدول 1.10: ملازمین کی اجرت بلحاظ شعبہ شرح نمو فیصد

شعبہ	ماہانہ اجرت (روپوں میں)		شرح (اضافہ) (فیصد)	
	2008-09ء	2012-13ء	ظاہری اجرت	حقیقی اجرت
زراعت	4349	6221	9.4	-1.6
مینوفیکچرنگ	6768	11022	13.0	2.0
تھوک اور خردہ فروشی	5619	8656	11.4	0.4
ٹرانسپورٹ اور مواصلات	8069	12470	11.5	0.5
نظم عامہ ودفاع	11207	21549	17.8	6.8
تعلیم	10424	18703	15.7	4.7
صحت	9889	17412	15.2	4.2
گھریلو خدمات	3680	6517	15.3	4.3
دیگر خدمات	6254	8197	7.0	-4.0

لیبر فورس سروے

کم ازکم اجرت (Minimum Wage)

ایسی صورتحال جہاں مہنگائی خصوصاً غذائی اشیاء کی قیمتوں میں افراطِ زر کی شدت ہو اور جہاں کارکنوں کی اکثریت غیر منظم شعبوں میں کام کرتی ہو، سوشل سیکیورٹی کا فقدان ہو اجتماعی سودا کاری اور تنظیم سازی کے حقوق دستیاب نہ ہوں وہاں معقول اجرتوں (living wages) کا حصول بنیادی اہمیت رکھتا ہے پاکستان میں قانونی کم از کم اجرت (statutory minimum wages) اور معقول اجرتوں میں واضح فرق پایا جاتا ہے ایک تخمینے کے مطابق 6 سے 7 افراد کے ایک کنبہ کو اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے کم از کم مبلغ تیس ہزار روپوں کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ کنبہ میں کمانے والے افراد کی تعداد (1.9 فرد) کو مدنظر رکھتے ہوئے تخمینہ لگایا گیا ہے کہ تقریباً دو تہائی خاندان بھی رائج قانونی کم ازکم اجرت نہیں حاصل کر پاتے۔ 2012-11 میں کم ازکم اجرت 8 ہزار روپے ماہانہ تھی جدول 1.11 کے مطابق 44 فیصد سے زائد محنت کشوں کو کم از کم اجرت سے کم معاوضہ ملا۔ خواتین کارکنان میں یہ شرح اور بھی کم یعنی 72 فیصد خواتین کارکنوں کو کم از کم قانونی اجرت سے کم معاوضہ ملا۔ گھریلو معاوضے کے سروے (HIES-2013-14) کے مطابق دوتہائی سے زیادہ گھرانوں کی آمدن کم سے کم اجرت سے بھی کم ہے۔

جدول 1.11: کم ازکم اجرت سے کم تنخواہ لینے والے ملازمین کی شرح فیصد بلحاظ شعبہ

	2012-13
پاکستان	44.5
مرد	40.7
خواتین	72.0
شہری	37.7
دیہی	50.9
شعبہ	
زراعت	74.6
مینوفیکچرنگ	47.7
تعمیرات	47.8
ٹرانسپورٹ	34.8
مالیات اور بیمہ	11.3
نظم عامہ ودفاع	8.3
تعلیم	25.4
صحت	29.4
دیگر خدمات	61.3
گھریلو خدمات	71.3

لیبر فورس سروے

قانونی اجرتوں کا نفاذ لیبر قوانین پر عمل درآمد کا ایک بڑا سنگین مسئلہ ہے جس کے سدِ باب کے لئے محکمہ محنت اور حکمرانوں کی طرف سے کوئی ٹھوس اقدام نظر نہیں آتے اگر چہ عدالتوں نے اس مسئلہ پر گاہِ بگاہِ سخت تنبیہ اور ہدایات جاری کی ہیں۔ یہ مسئلہ بھی مزدوروں کی کمزور سماجی و قانونی حیثیت سے جڑا ہوا ہے۔

کام کے دوران حادثات، بیماریوں کی شرح

لیبر فورس سروے میں، سروے سے پہلے کے بارہ ماہ میں کام کے دوران حادثات اور بیماریوں کی شرح دی گئی ہے۔ یہ شرح زیادہ ہے اور بڑھ رہی ہے 2012-13ء میں 4 فیصد (تقریباً 23 لاکھ) سے زائد محنت کش متاثر ہوئے۔ مرد محنت کشوں میں یہ شرح تقریباً دگنی ہے۔ سب سے زیادہ حادثات اور بیماریاں زراعت کے کام اور خودروزگار کارکنوں میں ہوتی ہیں (جدول 1.12)۔

جدول 1.12: کام کے دوران حادثات، امراض کی شرح (فیصد)

	2008-09ء	2012-13ء
پاکستان	2.71	4.02
مرد	3.15	4.52
خواتین	1.09	2.28
تقسیم بلحاظ شعبہ		
زراعت	50.43	49.15
مینوفیکچرنگ	13.96	13.32
تعمیرات	14.54	15.24
خرید و فروخت	7.54	9.20
ٹرانسپورٹ	8.14	7.03
دیگر		6.06
تقسیم بلحاظ پیشہ		
دستکاری اور متعلقہ پیشے	22.11	18.78
زراعت	44.86	43.51
ابتدائی پیشے	19.83	20.92
دیگر		16.79
تقسیم بلحاظ روزگار کی حیثیت		
خودروزگار	38.87	38.80
ملازم	38.36	38.12
خاندانی کارکن	22.68	22.42
دیگر		0.66

سروے سے پہلے کے 12 ماہ میں لیبر فورس سروے، پاکستان دفتر شماریات

کام کی زیادتی کا شکار محنت کش:

ہفتے میں 49 گھنٹے سے زیادہ کام کرنے والے محنت کشوں کا تناسب جدول 1.13 میں دیا گیا ہے۔ کام کی زیادتی کا شکار، محنت کشوں کا تناسب زیادہ ہے گو کہ 2001-02ء سے کم ہو رہا ہے۔ 2012-13ء میں تقریباً 39 فیصد محنت کشوں نے ہفتے میں 49 گھنٹے یا اس سے زیادہ کام کیا۔ شہری علاقوں، مردوں اور آجر، خودروزگار کارکنوں میں کام کی زیادتی کا شکار، محنت کشوں کی شرح زیادہ ہے۔

جدول 1.13: کام کی زیادتی کا شکار کارکنوں کی شرح
ہفتے میں 49 گھنٹے یا زائد کام کرنے والے (فیصد)

	2001-02ء	2008-09ء	2012-13ء
مجموعی	43.2	38.2	37.7
دیہی	41.5	34.4	33.1
شہری	45.7	50.0	48.4
مرد	47.4	43.9	45.9
خواتین	16.4	17.0	9.1
بلحاظ پیشہ			
آجر	54.9	70.3	62.4
خودروزگار	53.9	54.6	51.8
بلاتنخواہ خاندانی کارکن	31.1	21.6	18.3
ملازم	38.0	38.4	38.0

لیبر فورس سروے

پاکستان میں غیر رسمی شعبوں میں لیبر قوانین پر عملدرآمد کے چیلنجز

آج جبکہ دنیا معاشی طور پر ایک گلوبل ولیج کا روپ دھار چکی ہے اور دنیا کے تقریباً تمام ممالک کی تجارت اور پیداوار عالمی منڈی کا حصہ بن چکی ہے۔ ترقی پذیر ممالک عالمی سرمایہ کاری کے لئے سستی محنت اور سستے خام مال کی سپلائی کے مراکز بن گئے ہیں۔ عالمی سرمایہ داری نے صرف بڑی بڑی فیکٹریوں اور اداروں تک پیداواری عمل کو محدود رکھنے کے بجائے سامان یا مال کی تیاری کے کچھ حصہ اور سپیئر پارٹس ایسے غیر رسمی شعبوں کے چھوٹے چھوٹے مراکز اور ورکشاپوں سے تیار کروانا شروع کر دیئے ہیں جو سستے داموں ان کل پرزوں کی سپلائی جاری رکھتے ہیں اور پھر تیار شدہ مال کو اسمبل کر کے مارکیٹ میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ٹریکٹرز، بائیسکل، موٹر سائیکل اور ایسی ہی دیگر اشیاء کے کل پرزے چھوٹی ورکشاپوں اور وینڈرز کے ذریعہ سپلائی ہوتے ہیں اور یہ ورکشاپس غیر رسمی شعبہ ہی کا حصہ ہیں جہاں اجرتوں کا کم معیار اور لازمی سہولیات کا فقدان ہے۔
اسی طرح بڑے بڑے اہم اور مشہور برانڈز کی اشیاء اور ملبوسات چھوٹے مراکز اور ہوم بیسڈ ورکرز سے تیار کروائی جاتی ہیں اور پھر ان پر بڑے برانڈ کے لیبل لگا کر مہنگے داموں مارکیٹ میں بیچ کر بھاری منافع کمایا جاتا ہے، جبکہ ان کو تیار کرنے والے غیر رسمی شعبہ سے متعلق مزدوروں جن میں بھاری تعداد خواتین ورکرز کی ہے

وہ کم از کم اجرت اور دیگر سہولیات کی عدم دستیابی کا شکار ہیں۔ یوں سرمایہ کاری کے ان طریقوں نے غیر رسمی شعبوں کو فروغ دیا ہے اور ان غیر رسمی شعبوں میں معیاری اجرت دینے اور ان کو دی جانے والی دیگر سہولیات سے جان چھڑا لی ہے۔

اسی طرح عالمی سرمایہ کاری کی مخصوص پالیسیوں کی وجہ سے جن کو ان کے مقامی حصہ دار یا ان کی پروردہ حکومتیں پروان چڑھاتی ہیں مقروض ممالک کے قومی اہمیت کے سرکاری ادارے رفتہ رفتہ معاشی، بدحالی اور دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر حکومت پر یہ دباؤ بڑھا دیا جاتا ہے کہ ان اداروں سے جان چھڑا کر ان کو اونے پونے داموں فروخت کر دیا جائے یوں ان اہم اداروں کی خریداری کے بعد اس مقروض ملک کی معیشت پر کنٹرول مزید بڑھا دیا جاتا ہے اور اس ملک کی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کو کنٹرول میں لایا جاتا ہے جب یہ ادارے نجی شعبہ میں منتقل ہو جاتے ہیں تو ان میں کنٹریکٹ لیبر کے اجراء کے بعد ان کو غیر رسمی شعبوں کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔

یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ٹیکسٹائل اور ملبوسات کے سرمائے اور منافع کی بنیاد کا سب سے اہم حصہ وہ کسان ہیں جو کپاس کی پیداوار کرتے ہیں اسی طرح وہ کھیت مزدور خواتین ورکرز جو کپاس کی چنائی کر کے اس اہم پیداوار کو منڈی میں بھجوانے میں حصہ بٹاتی ہیں، لیکن یہ لاکھوں کسان اور خواتین کارکن لیبر قوانین کے دائرہ کار سے باہر ہیں اور بمشکل اپنے جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کی حد تک کم از کم معیار زندگی پر جی رہے ہیں۔

عالمی سرمایہ کاری کے ان طور طریقوں کو مقامی سرمایہ کار بھی اپنا کر فائدہ اٹھا رہے ہیں، بلکہ مقامی سرمایہ بھی عالمی سرمائے کا ہی حصہ ہے۔ اس طرح ان تمام پالیسیوں کی وجہ سے غیر رسمی شعبہ تیزی سے پھیل اور ترقی کر رہا ہے اور رسمی شعبہ سکڑ رہا ہے۔ ملک میں آج محنت کشوں کی تقریباً تین چوتھائی تعداد غیر رسمی شعبوں میں کم از کم اجرت اور دیگر لازمی ضروریات اور سہولیات سے محروم محنت کی منڈی میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ملکی معیشت میں بھرپور حصہ ڈال رہی ہے۔ (جدول 1.14) ان میں زیادہ تعداد خواتین ورکرز ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز چھوٹی ورکشاپوں کے مزدوروں، خود روزگار مزدوروں اور مختلف تجارتی اداروں، ہوٹلوں، بڑی دوکانوں، بڑے اسٹورز اور مختلف پیشوں سے وابستہ کروڑوں مزدور ہیں جو کم از کم اجرت سے محروم اور سوشل سکیورٹی جیسے سیفٹی نیٹ سے باہر ہیں اور شب و روز نامساعد حالات اور غیر انسانی ماحول میں کام کر رہے ہیں (جدول 1.15)۔

جدول 1.15: غیر منظم شعبے کے کارکنان کی بڑے صنعتی شعبوں میں تقسیم روزگار (فیصد)

بڑے صنعتی شعبے	2012-2013ء			2013-2014ء		
	مرد وخواتین	مرد	خواتین	مرد وخواتین	مرد	خواتین
کل	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0
صنعت وحرفت	22.1	18.5	56.1	21.5	17.1	58.7
تعمیرات	17.3	18.9	1.2	16.8	18.6	1.4
تھوک اور متعلقہ بیوپار	33 8	36.4	8.7	34.3	37.4	8.1
ٹرانسپورٹ، ذخیرہ اندوزی ومواصلات، سماجی وذاتی خدمات	10.6	11.6	0.7	10.9	12.1	0.4
کمیونٹی، سماجی اور ذاتی خدمات	15.4	13.8	33.1	15.4	13.6	31.4
اور دیگر شعبے (کان کنی، بجلی، گیس، پانی، مالیات، بیمہ، جائیداد واملاک اور کاروباری خدمات)	0.8	0.8	0.2	1.1	1.2	--

جدول 1.14: منظم اور غیر منظم شعبے......غیر زرعی کارکنان کی تقسیم (فیصد)

شعبے	2012-2013ء			2013-2014ء		
	مرد وخواتین	مرد	خواتین	مرد وخواتین	مرد	خواتین
کل	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0
منظم شعبہ	26.4	26.2	28.3	26.4	26.3	27.0
غیر منظم شعبہ	73.6	73.8	71.7	73.6	73.7	73.0
دیہی	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0
منظم	22.6	22.6	21.8	23.3	23.6	21.2
غیر منظم	77.4	77.4	78.2	76.7	76.4	78.8
شہری	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0
منظم	30.1	29.6	34.9	29.4	28.9	32.9
غیر منظم	69.9	70.4	65.1	70.6	71.1	66.1

لیبر فورس سروے

1.3: پاکستان کا غیر روایتی ذریعہ روزگار

کسی بھی ملک کی ترقی کا دارومدار اس کی معاشی اور صنعتی سرگرمیوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ صنعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان سرگرمیوں میں حصہ لینے والے محنت کشوں کے تمام تر حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ انہیں جب وہ کام کرنے کے قابل ہوں تو وہ تمام سہولیات و مراعات حاصل ہوں جو ایک صحت مند انسان کے لئے ضروری ہیں۔ ان کی تنخواہوں کا معیار اتنا ہو کہ وہ مارکیٹ میں دستیاب ضروریات زندگی کو با آسانی اپنے تصرف میں لا سکیں، ان کے بچوں کی تعلیم، ان کی صحت اور خوراک و رہائش کے معاملات بہتر انداز میں چل رہے ہوں۔ صنعتی اور معاشی سرگرمیوں میں مصروف افراد کو، جب وہ اپنی ان سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے قابل نہ رہیں تو زندہ رہنے کے لئے اتنی مراعات ضرور حاصل ہوں کہ وہ ایک مطمئن زندگی گزار سکیں، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ جو انسان، زندگی بھر اپنی محنت سے دولت پیدا کرنے میں اور اس دولت میں اضافہ کرنے میں اپنی صحت و توانائی و صلاحیت سب کچھ صرف کر دے، لیکن جب وہ کسی کام کے قابل نہ رہے تو معاشرہ، حکومت اور اس کی کمائی ہوئی دولت پر انحصار کرنے والے اسے بے یارومددگار چھوڑ دیں۔ ایسے معاشرے جو اپنے بزرگ شہریوں کو زندگی گزارنے کی سہولیات نہیں دے سکتے۔ وہ معاشرے "بیمار" معاشرے کہلواتے ہیں۔ ان معاشروں میں زندگی سسکتی رہتی ہے۔ پاکستانی معاشرہ بھی اپنے دیگر گوناگوں مسائل کے علاوہ ان مسائل کا بھی شکار ہے کہ جہاں غیر روایتی شعبوں میں کام کرنے والے خواتین و حضرات، جب تک ان کے جسم و جان کام کے قابل رہتے ہیں وہ زندگی کی گاڑی کو جیسے تیسے گھسیٹتے رہتے ہیں، لیکن جب ان کی بوڑھی ٹانگیں ان کے وجود کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہتیں، آنکھوں کی روشنی دھندلا جاتی ہے اور ہاتھوں میں رعشہ آجاتا ہے تو وہ بے آسرا ایک تکلیف زدہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو کر اپنے مرنے کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ اگر کھلی آنکھوں اور احساس کے جذبوں کو زندہ رکھتے ہوئے پاکستانی معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو ایسے سینکڑوں شعبے ہیں، جن کو ہم غیر روایتی شعبے کہتے ہیں۔ جہاں زندگی گزارنے کی جدوجہد کرنے والے خود ہی اپنے زندگی گزارنے کے طریقوں کا تعین کرتے ہیں، خود ہی اپنا بوجھ اٹھاتے ہیں، ہر سختی کو خود ہی برداشت کرتے ہیں اور آگ کے ہر دریا کو خود ہی تیر کر پار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے سینکڑوں شعبوں میں کام کرنیوالوں کے تحفظ کا کوئی ذمہ دار نہیں۔ آیئے ان شعبہ جات میں سے چند ایک کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

آواز لگا کر سبزی فروخت کرنے والے حضرات تھوک مارکیٹ سے سبزی خریدنے کے بعد اپنی گدھا گاڑی پر لاد کر اس سبزی کو شہر کی گلیوں میں فروخت کرتے ہیں۔ ان کا کام صبح 4 بجے شروع ہو جاتا ہے۔ ان کی اپنے گھروں کو واپسی عملاً رات 8 بجے تک ہوتی ہے۔ بعض سبزی فروخت کرنے والوں کے ساتھ ان کا ایک بچہ بھی ہوتا ہے جو سارا سارا دن سبزی فروخت کرنے کے لئے آوازیں لگا تا رہتا ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ 12 تا 16 سال تک کے بچے بھی یہ کام کرتے ہیں۔ اس شعبہ میں خواتین شامل نہیں ہیں۔

غبارے بیچنے والے بچے سکولوں کے باہر، گلیوں، پارکوں، تفریحی گاہوں کے باہر آپ کو بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ چھوٹی عمر کے بچے بھی ایک بانس پر باندھ کر غبارے فروخت کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ مناظر پورے پاکستان میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس شعبہ میں بھی خواتین یا لڑکیوں کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔

چوڑیاں فروخت کرنے والی خواتین سر پر چوڑیوں کا ٹوکرا اٹھائے یہ خواتین جو دو، دو یا، تین تین کی تعداد میں گلیوں میں آواز لگا کر چوڑیاں فروخت کرتی ہیں۔ ان خواتین کے ساتھ اکثر چھوٹے بچے اور بچیاں بھی ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ ہی سارا سارا دن اس کام میں مصروف رہتے ہیں۔

اچار فروخت کرنے والی خواتین بھی ایک مٹی کے برتن میں اچار ڈال کر اسے اپنے سر پر اٹھا کر گلیوں اور بازاروں میں آواز لگا کر فروخت کرتی ہیں۔ یہ اچار وہ خود اپنے گھروں پر بھی تیار کرتی ہیں اور بازار سے بنا بنایا اچار خرید کر فروخت کرتی ہیں۔ ویسے زیادہ تر وہ اچار خود ہی تیار کرتی ہیں۔ اس طرح ان کو زیادہ آمدنی ہو جاتی ہے۔ ان کے ساتھ بچے بہت کم ہی دیکھنے میں آئے ہیں۔

چادریں اور کھیس فروخت کرنے والے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں کھڈی پر کاٹن کی چادریں اور کھیس تیار کر کے فروخت کرتے ہیں۔ یہ 3,3, 4,4 کی تعداد میں مل کر اس کام کو کرتے ہیں۔ ان میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں۔ مرد و خواتین سب نے ان چادروں اور کھیسوں کا بھاری بوجھ اپنے سر پر اٹھایا ہوا ہوتا ہے اور سارا سارا دن آوازیں لگا کر اپنا مال فروخت کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بعض اوقات 10 تا 15 سال تک کے لڑکے اور لڑکیاں بھی ہوتے ہیں۔

ردی خریدنے والے یہ وہ لوگ ہیں جو سائیکل یا گدھا گاڑی میں یہ کام کرتے ہیں۔ یہ گھروں سے ردی، لوہا، تانبا، پیتل، پلاسٹک کی ٹوٹی ہوئی اشیاء وغیرہ خریدتے ہیں۔ اس شعبہ میں خواتین نہیں ہیں، لیکن نوعمر لڑکے اس کام کو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی کل وقتی کام ہے۔ یعنی صبح سے رات تک۔

قلفیاں فروخت کرنے والے قلفی یا آئس کریم فروخت کرنے والوں کی دو الگ قسمیں ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں دودھ وغیرہ سے اپنے طریقے سے قلفی تیار کرتے ہیں اور پھر ایک ریڑھی پر رکھ کر ان قلفیوں کو فروخت کرتے ہیں۔ اس میں زیادہ تر نوجوان اور بڑی عمر کے مرد ہی نظر آتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو مختلف کمپنیوں کی بنائی ہوئی قلفی اور آئس کریم فروخت کرتے ہیں۔ ان کمپنیوں نے اپنی اشیاء فروخت کروانے کے لئے سائیکل پر ایک آئس باکس بنایا ہوتا ہے جس میں کئی گھنٹوں تک وہ قلفی یا آئس کریم خراب نہیں ہوتی۔ یہ کمپنیاں یہ کام کمیشن پر کرواتی ہیں۔ اس کام میں زیادہ تر 14 سال سے اوپر کے نوجوان لڑکے شامل ہیں۔ سارا دن سائیکل چلانے کی مشقت بڑی عمر کے لوگوں کے لئے شاید ممکن نہ ہو۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ سائیکل سوار قلفی فروش ایک دن میں کم سے کم 50 تا 80 کلومیٹر تک سائیکل چلا کر قلفی یا آئس کریم فروخت کرتے ہیں۔ اس شعبہ میں خواتین شامل نہیں ہیں۔

پھل فروخت کرنے والے: گدھا گاڑی یا سائیکل پر یہ کام کرنے والے نوجوان، بزرگ اور 12 تا 16 سال تک کی عمر کے لڑکے صبح سے رات گئے تک یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔

گھروں کا ٹوٹا ہوا فرنیچر وغیرہ ٹھیک کرنے والے زیادہ تر 40 سال سے اوپر کی عمر کے لوگ ہوتے ہیں جو سائیکل پر اپنے اوزار رکھ کر گلیوں، بازاروں میں آواز لگا کر، ضرورت مند حضرات کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ خاصے ہنر مند ہوتے ہیں اور بہت معقول نرخوں پر گھروں کے ٹوٹے ہوئے فرنیچر کی مرمت وغیرہ کر دیتے ہیں۔

گھروں کا رنگ روغن کرنے والے بھی زیادہ تر 20 سال سے اوپر کی عمر کے افراد ہوتے ہیں جو 2,2 یا 3,3 کی تعداد میں گھریلو میں وائٹ واش اور رنگ وروغن کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ یہ کام دیہاڑی یعنی Daily کی بنیاد پر بھی کرتے ہیں اور ٹھیکے پر بھی کرتے ہیں۔

سلائی مشین ٹھیک کرنے والے کاریگر افراد بھی گھروں میں آ کر خراب سلائی مشینوں کی مرمت کا کام کرتے ہیں۔ یہ کام بھی زیادہ تر نوجوان لڑکے ہی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کام میں خاصے ماہر ہوتے ہیں۔

ٹی وی کے ریموٹ فروخت کرنے والے زیادہ تر 15 تا 22,20 سال تک کی عمر کے لڑکے کرتے ہیں۔ سائیکل یا پیدل۔ یہ دونوں ذرائع استعمال کر کے ریموٹ فروخت کرتے ہیں۔

نجومی: قسمت کا حال بتانے والے بھی ایک کپڑے کے تھیلے میں اپنی ضرورت کی اشیاء ڈال کر گلیوں میں آوازیں لگا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے انہیں ان کے ہاتھ کی لکیروں کی کہانی سناتے ہیں اور مستقبل کے سہانے خواب دکھلاتے ہیں۔ یہ کام زیادہ تر بڑی عمر کے مرد ہی کرتے ہیں۔ اس شعبہ میں خواتین بھی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

جھاڑو اور صفائی کے برش فروخت کرنے والے لوگ بھی ایک سائیکل پر بڑی ترتیب سے یہ سارا سامان باندھ کر اپنا سامان فروخت کرتے ہیں۔ یہ کام کرنے والے بھی زیادہ تر نوجوان لوگ ہیں۔

پلاسٹک کا سامان فروخت کرنے والے لوگ یہ کاروبار ایک ریڑھی پر کرتے ہیں۔ ان کی ریڑھی پر ایک وقت میں سینکڑوں مختلف اشیاء ہوتی ہیں جو یہ فروخت کرتے ہیں۔ یہ کام ہر عمر کے لوگ کرتے ہیں، لیکن اس کام میں کم عمر لڑکے بہت ہی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

مصالحہ جات فروخت کرنے والے ایک چھوٹی ہتھ ریڑھی پر چھوٹے چھوٹے پیکٹوں میں مختلف مصالحہ جات کو پیک کر کے فروخت کرنے والے زیادہ تر 12 تا 18 سال تک کے لڑکے ہوتے ہیں۔ جنہیں جب کوئی اور کام نہیں ملتا تو وہ اس کام کی طرف آ جاتے ہیں۔

مٹی کے کھلونے بنانے اور بیچنے والے وہ لوگ ہیں جو شہروں کے اردگرد جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے بہت سے پیشے ہیں، لیکن ان میں سے چند لوگ ایسے بھی ہیں جو مٹی کے چھوٹے کھلونے بنا کر انہیں آگ کی تپش دے کر تیار کر کے اپنے چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کو دے دیتے ہیں۔ ان لڑکے اور لڑکیوں کی عمریں 12,10 سال سے کسی صورت زیادہ نہیں ہوتیں، یہ بچے ان کھلونوں کو گلی محلوں میں بچوں کے پاس بہت ہی معمولی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب یہ کھلونے بچے بہت شوق سے خریدتے تھے مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب ان کھلونوں کی مانگ میں بہت کمی آ چکی ہے۔ ہوسکتا ہے آنے والے سالوں میں یہ سلسلہ بالکل ختم ہو جائے۔

دیسی ساختہ ڈیکوریشن پیس فروخت کرنے والے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے ٹکڑوں، بانس کی باریک شاخوں، کھجور کے پتوں، سرکنڈوں اور رنگ برنگ کاغذ سے یہ ڈیکوریشن پیس بھی جھونپڑیوں میں رہنے والے خانہ بدوش ہی تیار کرتے ہیں۔ یہ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہوتے ہیں۔ ان ڈیکوریشن پیسز کو بھی خانہ بدوشوں کی عورتیں اور چھوٹے بچے، جن کی عمریں 10 سال تک ہوتی ہیں۔ گلیوں، محلوں میں فروخت کرتے ہیں۔ اب ان کی فروخت میں بھی کمی آتی جا رہی ہے۔

پرانے کپڑوں اور جوتوں کے بدلے میں پلاسٹک کے برتن دینے والے ایک منفرد شعبہ ہے۔ اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے حضرات، موٹر سائیکل اور سائیکل پر پلاسٹک کے گھریلو سامان کی اچھی خاصی تعداد رکھ کر گلیوں اور محلوں میں آ کر آوازیں لگاتے ہیں کہ پرانے کپڑوں اور جوتوں کے بدلے پلاسٹک کے برتن لے لیں۔ یہ لوگ ان پرانے کپڑوں اور جوتوں کو مرمت کر کے پاکستان کے پہاڑی علاقوں میں فروخت کرتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں کے لوگ ان کپڑوں اور جوتوں کو بخوشی اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ اس شعبہ میں کام کرنے والے یہ کام انفرادی سطح پر کرتے ہیں اور زیادہ نوجوان لڑکے ہی اس کام میں زیادہ سرگرم نظر آتے ہیں۔

یہ چند ایک شعبہ جات ان سینکڑوں شعبہ جات کی ایک جھلک ہے جو پاکستان کے غیر روایتی معاشی شعبے کا حصہ ہیں۔ یہ محنت کرنے والوں کی ایسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں جو ملکی معیشت میں تو ہرا پنا کردار ادا کرتے ہیں اور کسی حد تک روزگار کے مسائل کے حل کا ذریعہ بھی ہیں، لیکن وہ تمام ان سہولیات سے محروم ہیں جو روایتی شعبہ جات میں کام کرنے والوں کو حاصل ہیں۔ پاکستان میں آج تک نہ تو ان شعبہ جات کی تعداد کے بارے میں کوئی باقاعدہ سروے ہوا ہے اور نہ ان لوگوں کو کسی قانونی دائرے میں لایا گیا ہے۔ یہ لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی کے بوجھ کی بھاری گاڑی کو کھینچتے کھینچتے اپنی عمریں گزار دیتے ہیں۔ یہ 100 فیصد دیہاڑی دار مزدور ہیں کسی وجہ سے ان کی دیہاڑی نہ لگے تو ان کے پاس اس کا کوئی متبادل نہیں ہوتا۔ بس کمانا ہے اور کھانا ہے۔

ان لاکھوں مزدوروں کو اپنے حال پر چھوڑ کر ان سے لاتعلقی اور بیگانگی کا رویہ انتہائی نامناسب ہوگا اور پاکستان کی حکومتوں اور ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شہری کہ تعلیم صحت، باوقار روزگار، رہائش اور دیگر سہولتیں مہیا کر کے اپنی قانونی ذمہ داریاں پورا کرے اور ان غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کو رسمی شعبوں کی طرف منتقل کرنے یا رسمی شعبوں کے مزدوروں کی سہولتوں کے برابر لانے کے لئے مناسب منصوبہ بندی اور اقدامات اٹھائے۔

مندرجہ بالا پیش کردہ تجزیہ وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ پاکستان کے محنت کش عوام کی بھاری اکثریت باوقار روزگار اور سماجی انصاف سے محروم ہے۔اس کے تدارک کے لئے ٹھوس اجتماعی سیاسی عزم اور بہتر حکمرانی کا بیڑا اٹھانا ہوگا۔جی ایس پی پلس کے تناظر میں ہمارے لئے بہترین موقع ہے کہ پاکستان میں باوقار روزگار کے فروغ کے لئے ایک جامع حکمتِ عملی اور پروگرام کو اپنی ترجیح بنائیں اس سلسلے میں ہماری تجاویزات مندرجہ ذیل ہیں۔

تجاویز

1- قومی اور صوبائی حکومتیں جلد از جلد مربوط ہمہ جہتی صنعتی پالیسی تشکیل دیں۔ جو معشیت ،روزگار، تعلیم بشمول صنفی تعلیم اور محنت کشوں کے مفادات اور موجودہ مستقبل کے چیلنجز سے ہم آہنگ ہو۔اس کے لئے متعلقہ اسٹیک ہولڈر اور ماہرین کی مشاورت کو یقینی بنایا جائے۔

2- پاکستان کا ملکی باوقار روزگار پروگرام (country decent work program) کو وفاقی منصوبہ بندی کے پروگرام vision 2025 میں صراحت کے ساتھ شامل کیا جائے۔

3- ملکی لیبر قوانین کی اصلاح اور نئے قوانین کے اجراء کے لئے ایک فوری لائحہ عمل مرتب کریں۔جس سے ملک کے زیادہ سے زیادہ محنت کش ان قوانین سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

4- ILO کے میثاق برائے ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز اور صحت وسلامتی کے متعلق جدید قوانین کی توثیق اور متعلقہ قوانین سازی مکمل کی جائے۔ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز کے لئے جامع پالیسیاں تشکیل دی جائیں

5- صنعتی وکمرشل اداروں کی جامع رجسٹریشن کا عمل ہنگامی بنیادوں پر مکمل کیا جائے۔

6- پاکستان کے قوانین محنت میں ایک ایسے جامع قانون کی کمی ہے جو ILO کے توثیق کردہ کنونشنز 100 اور 111 میں دیے گئے مزدوروں کے حقوق کی پاسداری کر سکے جس کی رو سے محنت کی منڈی میں صنفی امتیازات اور ملازمتوں کی حیثیتوں کے حوالے سے شدید امتیازات کی روک تھام کرے اور موجودہ قوانین پر عمل کروائیں۔

7- تمام اداروں میں مستقل نوعیت کے کام پر لازمی طور پر مستقل ملازمین ہی رکھے جائیں اور یہ ان مزدوروں پر احسان نہیں بلکہ ان کا قانونی حق ہے۔

8- جو بھی مزدور کسی بھی ادارہ میں ملازم ہو اس کے پاس ملازمت پر تقرر نامہ لازمی طور پر ہونے چاہئیں اور ان کا تمام سروس ریکارڈ مرتب کرنا چاہیے۔

9- کسی بھی مستقل جاب پر 90 دن مسلسل کام کرنے والے مزدور کو لازمی طور پر مستقل مزدور کا درجہ دیا جائے۔

10- کسی بھی ادارہ میں عارضی اور کنٹریکٹ لیبر کے تحت کام کرنے والے مزدوروں کو تنظیم سازی اور ٹریڈ یونین کی ممبر شپ اور لیڈر شپ کا حق دار مانا جائے اور اگر وہ یونین سازی میں حصہ لیں تو ان کی ملازمت کا تحفظ کیا جائے۔

11- اسی طرح زرعی سیکٹر میں کھیت مزدوروں، کپاس کی چنائی کرنے والی خواتین کارکنوں اور کسانوں کو صحت وسلامتی اور حفاظتی تدابیر کی تربیت دی جائے۔ ان کو جدید آلات کے لئے آسان اور بلاسود قرضے دیئے جائیں۔ان کو زہریلی ادویات کے چھڑکاؤ اور کیمیکلز کے استعمال میں حفاظتی تدابیر کی تربیت دی جائے اور ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری حفاظتی سامان کے استعمال کی تربیت ان تمام غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کی کم از کم اجرت کے تعین کا طریقہ کار وضع کیا جائے اور ایسا میکنزم بنایا جائے کہ ان کی آمدن کم از کم اجرت سے کم نہ ہو۔

12- غیر رسمی شعبوں بالخصوص زرعی سیکٹر میں کام کرنے والے مرد و خواتین ورکرز، ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز مختلف شعبوں سے منسلک خود روزگار ورکرز اور مختلف ورکشاپوں، تجارتی اداروں، دوکانوں اور دیگر شعبوں سے منسلک ورکرز کو تنظیم سازی کے ساتھ لیبر قوانین کے دائرے میں لایا جائے۔لیبر قوانین میں شعبہ جاتی اور پیشہ ورانہ یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کی گنجائش نکالی جائے۔اگر یہ مزدور منظم ہو سکیں گے تو پھر اپنے حقوق اور سہولیات کے حصول کے لئے بھی راستہ اور طریقے نکال سکیں گے۔

13- ان تمام غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کے مکمل کوائف جمع کرنے کے لئے مکمل سروے کا بندوبست کیا جائے۔

14- ان کے لئے بلاسود قرضوں کا اجراء کیا جائے تا کہ یہ اپنے کام میں جدید آلات اور چھوٹی مشینری استعمال کر سکیں جن سے ان کے کام میں جدت اور تیزی آ سکے۔

15- ان کی صحت و سلامتی بارے آگاہی اور تربیت تا کہ یہ زخمی ہونے اور حادثات سے محفوظ رہ سکیں گے اور خصوصی طور پر ابتدائی طبی امداد کی ٹریننگ اور سہولت۔

16- ان غیر رسمی شعبوں کے ورکرز کی فنی تربیت پر زور دیا جائے، تا کہ ان کے کام میں جدت آ سکے اور وہ رسمی شعبوں کے پیشوں میں جذب ہو سکیں گے۔ ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز کے آئی ایل آو کے متعلقہ کنونشنز کی توثیق کی جائے۔ ان کو مارکیٹنگ کی تربیت دی جائے، تا کہ یہ براہ راست مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ اور اپنی محنت کے حقیقی منافع سے آگاہ اور مستفید ہو سکیں اور مڈل مین کا کردار کم سے کم ہو سکے۔

17- ان کو سوشل سکیورٹی، ای او بی آئی اور دیگر مزدور دوست اسکیموں میں رجسٹرڈ کیا جائے اور جن علاقوں میں ان کی تعداد زیادہ ہے وہاں جدید ڈسپنسریاں اور ہسپتال تعمیر کئے جائیں۔

ہم دوبارہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ جب تک غیر رسمی شعبہ کے مزدوروں کو تنظیم سازی اور لیبر قوانین سے مستفید ہونے کی آزادی میسر نہ ہو گی یہ بدستور پسماندگی اور غیر یقینی صورتحال سے دوچار رہیں گے اور ان سہولیات اور آلات کے استعمال سے بھی نابلد رہیں گے جو ان کے لئے دوران محنت آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ بجٹ میں ان غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کے لئے لازمی طور پر فنڈز مختص کریں جو ان کی فلاح و بہبود، فنی تربیت اور صحت و سلامتی کے لئے کام آ سکیں اور پھر ان کو رسمی شعبوں کے مزدوروں کی طرح سوشل سیفٹی نیٹ کا حصہ بنائیں۔ اگر یہ غیر رسمی شعبوں کے مزدور تنظیم سازی کے ذریعے منظّم ہو جائیں تو پھر یہ رسمی شعبوں کے مزدوروں اور بحیثیت مجموعی ٹریڈ یونین یا مزدور تحریک کا حصہ بن کر اس تحریک کی مضبوطی کا سبب بن سکتے ہیں اور یوں یہ تحریک مزدوروں کے مسائل کے حل میں بہتر اور بھرپور کردار ادا کر سکتی ہے۔

1.4: پاکستان میں زرعی شعبہ اور زرعی صنعت کا فروغ

پاکستان ایک ترقی پذیر اور زرعی ملک ہے اور پاکستان کا زرعی شعبہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کے ساتھ ساتھ بعض زرعی اجناس ایکسپورٹ بھی کر رہا ہے، اگرچہ GDP میں زرعی شعبہ کا حصہ 21 فیصد رہ گیا ہے، لیکن لیبر فورس کا 43.7 فیصد زرعی سیکٹر سے منسلک ہے، جبکہ GDP میں صنعتی شعبہ کا حصہ 20.3 فیصد اور سروسز سیکٹر کا 58.8 فیصد ہے۔ آج بھی ایکسپورٹ ہونے والی اشیاء کی 80 فیصد آمدن زرعی شعبہ کی وجہ سے ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے اور آبادی کا بڑا حصہ دیہی علاقوں میں آباد ہے۔ جس کا براہ راست یا بالواسطہ انحصاری زرعی معیشت پر ہی ہے۔ پاکستان کا محل وقوع انتہائی اہم اور منفرد ہے۔ مشرق میں ہندوستان، شمال میں چین، ایران، افغانستان اور روس جبکہ مغرب میں مشرق وسطیٰ کا علاقہ ہے۔ پاکستان میں تقریباً تمام زرعی فصلیں اجناس اور پھل اور سبزیاں بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہیں، جبکہ لائیوسٹاک کی بھی بھاری تعداد پروان چڑھتی ہے، اگر ہم پاکستان کی زرعی ریٹنگ کا جائزہ لیں تو صورتحال کچھ یوں ہے۔ پاکستان چنے کی پیداوار میں تیسرا بڑا ملک ہے، جبکہ دودھ، چاول، کپاس اور آم کی پیداوار میں چوتھا گنے اور کھجور کی پیداوار میں پانچواں، کینو، مالٹا، خوبانی کی پیداوار میں چھٹا اور گندم اور پیاز کی پیداوار میں ساتواں بڑا ملک ہے۔ اسی طرح اگر ہم لائیوسٹاک کی افزائش کا جائزہ لیں تو پاکستان میں گائے بیل وغیرہ 2 کروڑ 42 لاکھ، بھینسیں 2 کروڑ 63 لاکھ، بھیڑیں 2 کروڑ 49 لاکھ، بکرے، بکریاں 5 کروڑ 67 لاکھ، اونٹ 80 لاکھ ہے۔ دودھ کی پیداوار 29.472 ملین ٹن روزانہ، بڑا گوشت 11 لاکھ 15 ہزار ٹن سالانہ چھوٹا گوشت 7 لاکھ 40 ہزار ٹن سالانہ، مرغی کا گوشت 4 لاکھ 16 ہزار ٹن روزانہ 8.5 ارب انڈے سالانہ، 40.2 ہزار ٹن اون، 21.5 ہزار ٹن جانوروں کے بال، 58 کروڑ 12 لاکھ کھالیں سالانہ پیدا ہوتی ہیں۔

پاکستان میں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام موجود ہے اس کے علاوہ ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کے ذریعے بھی آبپاشی کی جاتی ہے، جبکہ بارانی علاقوں میں بارشی پانی سے فصلیں اگائی جاتی ہیں۔ ملک میں چار بلکہ پانچ موسم جن میں گرمی، سردی، بہار، خزاں اور موسم برسات شامل ہیں۔ پاکستان کی زراعت میں ابھی ترقی کی بہت گنجائش موجود ہے اور فی ایکڑ پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ بڑی جاگیرداری کے علاقوں میں کافی پسماندہ اور فرسودہ پیداواری رشتے موجود ہیں اور وڈیروں کو مزارعین اور کھیت مزدوروں کی محنت کی وجہ سے اس قدر آمدن ہو جاتی ہے جو ان کی اپنی ضرورت اور عیاشی کے لئے کافی ہوتی ہے اس لئے وہ زراعت کی مزید ترقی پر بہت زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ آج کی دنیا میں زرعی شعبہ میں نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں اور نئی فصلیں پیدا کی جا رہی ہیں، جبکہ ایک سال میں کئی کئی فصلیں اگانے پر عبور حاصل کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح فصلوں میں پانی کی کم کھپت اور دیگر زرعی تحقیقات زرعی ترقی کی نئی نئی راہیں کھول رہی ہیں، لیکن زرعی شعبہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے اور ہمارا زرعی تحقیق کے لئے بجٹ اور وسائل بھی محدود ہیں۔ جہاں زرعی شعبہ سے متعلق صنعتکا` براہ راست زرعی شعبہ ہی سے ہے لیکن ابھی بھی بہت سی ایسی صنعتوں کی گنجائش موجود ہے جو زرعی شعبہ سے جڑی ہوئی ہوں اور روزگار کے مواقع مہیا کر سکتی ہوں۔ مثلاً فروٹ، کینو، مالٹا وغیرہ کو پراسیس کر کے برآمد کرنے والے یونٹ، فروٹس کو گل سڑ کر تباہ ہونے سے پہلے جوس نکال کر محفوظ کرنے اور سپلائی کرنے کے یونٹ اسی طرح سبزیوں سے اچار، مربے وغیرہ جیسی اشیا بنانا تا کہ سبزیاں ضائع نہ ہوں۔ اسی طرح چاول کی پرالی سے گتے اور کاغذ بنانے کے یونٹ، چاول کی صفائی کے لئے جدید یونٹ تا کہ ان کی چمک برقرار رہے اور کوالٹی میں کمی نہ ہو۔ چنے کے بیسن سے مختلف ایسی کھانے پینے کی اشیا بنائی جا سکتی ہیں جو زیادہ دنوں تک محفوظ رہیں اور ان کو ایکسپورٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک لائیوسٹاک کا تعلق ہے تو اس میں تو ابھی بہت زیادہ گنجائش ہے ڈیری فارمز، Goat فارمز، پولٹری فارمز وغیرہ کی تعداد کو بڑھا کر اندرون ملک ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ایکسپورٹ بھی کیا

جاسکتا ہے۔فش فارمز کے ذریعے مچھلی کی پیداوار بڑھائی جاسکتی ہے اور پھر ان تمام کے گوشت کو بہتر کاٹ کر اور صاف ستھرا کر کے ایسی پیکنگ کی جاسکتی ہے جو ان کو لمبے عرصہ کے لئے خراب نہ ہونے دے اور ان کو ایکسپورٹ کر دیا جائے۔ پھلوں، سبزیوں، مٹن، بیف اور مچھلی کو ایکسپورٹ کرنے کے لئے ان کی بہترین صفائی، ستھرائی اور پھر بہترین پیکنگ سے زرمبادلہ کمایا جاسکتا ہے۔ جہاں تک کپاس کا تعلق ہے تو اس کے حوالے سے ابھی بہت زیادہ جدید صنعتوں کی ضرورت ہے۔ ملک سے خام کپاس اور دھاگے کے بجائے ویلیوایڈڈ اشیا کی برآمد جس سے ٹیکسٹائل کے مزید یونٹ لگا کر روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوسکتے ہیں۔اسی طرح مختلف پاور کے چھوٹے اور بڑے ٹریکٹرز کی ضرورت ہے۔ہم صرف ٹریکٹرز اسمبل کرتے ہیں، حالانکہ یہ اس قدر پیچیدہ ٹیکنالوجی نہیں ہے کہ جس کو ملک کے اندر پیدا نہ کیا جاسکے اور پھر تھریشرز اور دیگر زرعی مشینری کو ملک کے اندر بنانے کا بندوبست کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ہماری ہمیشہ زرعی ضروریات رہیں گی۔اسی طرح گندم، چاول، چنا، مکئی، باجرہ اور جوار اور دیگر اجناس سے بیکری کے مختلف پروڈکس کی تیاری اس انداز میں ہو کہ زیادہ عرصہ تک محفوظ رہیں اور خراب نہ ہوں۔ چمڑے کی پیداوار کے حوالے سے خام چمڑا برآمد کرنے کے بجائے چمڑے کی ویلیوایڈڈ مصنوعات بنا کر ایکسپورٹ کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوسکیں، سرسوں، سورج مکھی اور سویابین سے تیل پیدا کر کے ان کو اندرونی ضروریات پوری کرنے کے بعد بیرون ملک ایکسپورٹ کیا جاسکتا ہے۔ چقندر سے چینی بنانے، شہد کی مکھیاں پال کر شہد کے حصول اور ریشم کے کیڑوں سے ریشم کے خصوصی کے کاروبار کئے جاسکتے ہیں۔ کھاد اور کرم کش ادویات کے کارخانے لگائے جاسکتے ہیں اور جنگلات بڑھا کر لکڑی حاصل کر کے فرنیچر کے کارخانے لگائے جاسکتے ہیں۔ مختلف قسم کے پھولوں کی نرسریاں بنا کر پھولوں کا حصول بڑھا کر ان سے مختلف عطریات کشید کر کے یا ان پھولوں کو ہی ایکسپورٹ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

پاکستان میں ٹیکسٹائل کی صنعت

ٹیکسٹائل کی صنعت پاکستان کی سب سے بڑی صنعت اور روزگار مہیا کرنے کا دوسرا بڑا شعبہ ہے۔اس شعبہ کا ملک کے جی ڈی پی (GDP) میں حصہ 8.5 فیصد ہے اور یہ تقریباً 15 ملین لوگوں کو براہ راست یا بالواسطہ روزگار مہیا کرتا ہے۔کل لیبر فورس 60 ملین میں سے تقریباً 25 سے 30 فیصد لوگوں کا روزگار کاٹن کی کاشت اور ٹیکسٹائل و گارمنٹس سے وابستہ ہے۔ پاکستان کاٹن پیدا کرنے والا دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہے۔ ہندوستان اور چین کے بعد سپننگ کی صلاحیت میں ایشیا میں تیسرے نمبر پر ہے اور دنیا کی سپننگ کا تقریباً 5 فیصد تیار کرتا ہے پاکستان میں تقریباً 452 ٹیکسٹائل ملز ہیں جبکہ 1221 جننگ یونٹس، 442 سپننگ یونٹس، 124 بڑے سپننگ یونٹس اور 425 چھوٹے یونٹس ٹیکسٹائل مصنوعات تیار کرتے ہیں۔ 2007ء میں اس صنعت نے 10,5 بلین ڈالر اور 2008ء میں 10,62 بلین ڈالر کا کاروبار کیا۔گیس کی کمی کی وجہ سے اس صنعت کو کچھ نقصان ہوا ہے اور اس کی مقابلاتی سکت کسی حد تک متاثر ہوئی ہے انرجی کی قیمتوں میں اضافے اور مختلف ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی پیداواری لاگت میں اضافہ ہوا ہے۔

396 ٹیکسٹائل ملز کی نمائندہ اپٹما کے مطابق 315 سپننگ، 44 ویونگ اور 37 کمپوزٹ یونٹ اور 1897ء روایتی کھڈیاں ہیں۔گزشتہ دنوں ٹیکسٹائل کے نمائندگان کی پریس کانفرنس کے مطابق اس وقت ٹیکسٹائل کو بحران کا سامنا ہے۔ایکسپورٹ 2,2 فیصد سے کم ہو کر 1,8 فیصد رہ گئی ہیں۔ مارکیٹ میں سمگل شدہ کپڑے کی بھرمار ہے اور انڈیا سے آنے والے دھاگہ پر کم ایکسپورٹ ڈیوٹی لگانے کی وجہ سے مقامی مارکیٹ متاثر ہوئی ہے۔

پاکستان کی ٹیکسٹائل میں آج بھی صلاحیت (Potential) موجود ہے کہ گزشتہ سالوں میں 13 بلین ڈالر کی ایکسپورٹ کو دوگنا 26 بلین ڈالر تک لے جاسکتی ہے۔ جی ڈی پی میں 8.5 فیصد حصہ کو 10 فیصد تک لے جایا جاسکتا ہے، جبکہ 15 ملین روزگار کو 30 ملین روزگار کے حصول تک لے جایا جاسکتا ہے۔گزشتہ سالوں میں ٹیکسٹائل کی ایکسپورٹ میں گزشتہ دس سالوں میں 9,12 فیصد کے حساب سے اضافہ ہوا ہے۔ 14-2013 میں ٹیکسٹائل اور کپڑے کی ایکسپورٹ 13.7 بلین تھیں۔

اگر ہم 2013ء اور 2015 کا پاکستان کی یورپ کو ملبوسات کی ایکسپورٹ کا موازنہ کریں تو 2013ء سے 2014ء میں 24,07 فیصد زیادہ مقدار میں ملبوسات ایکسپورٹ ہوئیں جبکہ ان کی مالیت میں 2013ء کی نسبت 2014ء میں 30,51 فیصد اضافہ کا فرق پڑا۔اسی طرح اگر 2014ء کی پہلی سہ ماہی اور 2015ء کی پہلی سہ ماہی کا موازنہ کریں تو 2014ء کی پہلی سہ ماہی سے 2015ء کی پہلی سہ ماہی میں 6 فیصد زیادہ مقدار میں ایکسپورٹ ہوئیں جبکہ ان کی مالیت میں 2014ء کی نسبت 2015ء میں 30,51 فیصد اضافہ ہوا۔

اگر ہم ٹیکسٹائل کی صنعت سے وابستہ براہ راست یا بالواسطہ 15 ملین کسانوں کھیت مزدوروں اور صنعتی مزدوروں کی تنظیم سازی اور مراعات کا جائزہ لیں تو صورت حال کافی مایوس کن ہے۔ کاٹن پیدا کرنے والے لاکھوں کسانوں اور کاٹن کی چنائی کرنے والی لاکھوں خواتین کارکنوں کو سرے سے تنظیم سازی کا حق بھی حاصل نہیں اور نہ ان پر لیبر قوانین کا اطلاق ہوتا ہے اتنی بڑی صنعت کے لئے پیداوار کرنے والے یہ کسان اور کھیت مزدور آج بھی بہت ہی غربت اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کو سوشل سکیورٹی، ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ سے کسی قسم کی سہولیات کے حصول کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ ان محنت کشوں کو تنظیم سازی کی آزادی دی جائے اور ان کو لیبر قوانین کے دائرہ کار میں لایا جائے۔اسی صنعت کے حوالے سے گھروں میں کام کرنے والی ہزارہا خواتین کارکن ملبوسات کی تیاری اور کڑھائی سلائی کے کام سے وابستہ ہیں۔ان کو بھی تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کا حق نہیں ہے اور نہ ہی ان پر لیبر قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ پنجاب میں حکومت نے ہوم بیسڈ ورکرز کے لئے پالیسی تیار کی ہے، لیکن ابھی تک اس کا کوئی اعلان نہیں ہوا۔

جہاں تک ٹیکسٹائل ملوں میں صنعتی مزدوروں کی تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کا تعلق ہے تو اس سیکٹر میں صورت حال کوئی زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہے پوری صنعت میں بہت ہی کم مزدوروں کی حقیقی نمائندہ یونینز موجود ہیں زیادہ تر ملوں میں تو یونینز موجود ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو وہ صرف کاغذی حد تک جو مالکان کے مفادات کا تحفظ کرتی ہیں۔ پاکستان کے سب سے بڑے صنعتی سیکٹر میں حقیقی نمائندہ یونینز موجود نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کی ٹریڈ یونین تحریک میں مجموعی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے۔

باب 2 : یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کا حق - رکاوٹیں و بندشیں

آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر (1)17 کے تحت تمام شہریوں کو یونین سازی اور اس میں شمولیت کا حق دار قرار دیا گیا ہے اور آئی ایل او کے کنونشن نمبر 87 اور 98 کی توثیق کے بعد حکومت پاکستان نے یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کے حق کو تسلیم کیا ہوا ہے اور آئی ایل او کے کنونشن نمبر 11 کی توثیق کے بعد پاکستان نے زرعی مزدوروں کے لئے بھی اسی طرح تنظیم سازی کے حقوق کو تسلیم کیا ہے جو صنعتی مزدوروں کو میسر ہیں۔

ہماری مرکزی اور صوبائی تمام صنعتی تعلقاتی آرڈیننس یا ایکٹس کی شروعات ہی اس امر سے ہوتی ہیں کہ درج ذیل مزدوروں پر ان قوانین کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یعنی وہ تنظیم سازی کے حق سے محروم رہیں گے۔ جن اداروں کو یونین سازی کے حق اور دائرہ کار سے خارج ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

- ریلوے اور پن لائنز کی وہ تنصیبات جن کو وزارت دفاع کے استعمال میں لایا جانا ہے۔
- تمام سول سرونٹس۔
- ایئر لائن، ایئر پورٹ، بندرگاہ آئل ریفائنری اور گیس سیکٹر کا سکیورٹی سٹاف۔
- سکیورٹی پیپرز لمیٹڈ اور پاکستان سکیورٹی پرنٹنگ کارپوریشن۔
- سرکاری ہسپتال خیراتی تنظیمیں اور ادارے، تعلیمی ادارے، فائر فائٹنگ اور ایمرجنسی سروسز کی تنظیمیں۔
- ایسے ورکرز جو پرائیویٹ سیکٹر میں انتظامی امور کے لئے کام کر رہے ہوں۔
- بلوچستان کے قبائلی علاقے۔
- جبکہ درج ذیل شعبوں میں بھی ٹریڈ یونین کے حقوق پر پابندیاں اور قدغنیں ہیں۔ جو تنظیم سازی کی راہ میں رکاوٹ ہیں، 1 زرعی سیکٹر، غیر رسمی شعبے، ایکسپورٹ پراسیسنگ زونز اور سپیشل پراسیسنگ زونز، 2- بنکوں میں 27-B کے تحت بنکوں کے اوقات کار میں ٹریڈ سرگرمیوں پر پابندی، 3- کسی بھی ادارے میں دو رجسٹرڈ یونینز کے بعد تیسری یونین کے لئے کم از کم 20 فیصد ممبر شپ کی پابندی، 4- کسی ادارہ میں ایک ہی رجسٹرڈ یونین پر 1/3 حصہ ورکرز کی ممبر شپ کی پابندی تا کہ وہ اجتماعی سودا کاری کا درجہ حاصل کر سکے۔

یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ جب تک کسی بھی فیکٹری یا ادارہ میں ٹریڈ یونین نہ ہو وہاں پر مزدوروں کے عام معمولی حقوق کی بھی ضمانت نہیں۔ مثلاً کم از کم اجرت پر عملدرآمد چائیلڈ لیبر کا خاتمہ، جبری مشقت کا خاتمہ، سیفٹی اور ہیلتھ کے بارے میں اقدامات، مزدوروں کے لئے تقرری کے لیٹرز، سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن، اوقات کار کا تقرر اور اوور ٹائم کا حصول وغیرہ۔

2.1: برصغیر میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا آغاز

متحدہ ہندوستان میں برطانوی راج کے دور میں جیسے جیسے سرمایہ کاری بڑھتی گئی، ویسے ویسے ہی صنعت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، صنعت میں اضافہ کے ساتھ ہی مزدور طبقہ بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ مزدور طبقہ کے مسائل نے بھی سر اُٹھانا شروع کر دیا۔ ہندوستان میں مزدوروں کی پہلی ہڑتال 1921ء میں بکنگھم اینڈ کارنیٹ ملز (Buckinghm and Carnatic Mills) میں ہوئی، 1926ء میں بنی ملز (Binny Mills) میں ہڑتال ہوئی۔ 1928ء میں ساؤتھ انڈین ریلوے میں ہڑتال ہوئی، 1929ء میں مشہور میرٹھ سازش کیس منظر عام پر آیا اس کیس کے پیچھے بھی وہ لوگ کام کر رہے تھے جو مزدوروں کو منظم کرنے میں سرگرم تھے اور ان کو درپیش مسائل کا حل چاہتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن کے پیش نظر ہندوستان کی برطانوی حکومت نے 1926ء میں ٹریڈ یونین ایکٹ لاگو کیا۔ اس سے قبل 1923ء میں ورک مین کمپنسیشن ایکٹ (Workmen`s Compensation Act.1923) لاگو کیا گیا تھا۔ 1934ء میں فیکٹریز ایکٹ لاگو کیا گیا۔ پے منٹ اینڈ ویجز ایکٹ (Payment and Wages Act-1936)۔ 1936ء میں بنایا گیا۔ اس سے قبل 1921ء میں ILO (Interntional Labour Organisation) میں نوجوانوں کے لئے رات کو کام کرنے کا کنونشن، 1921ء میں زرعی مزدوروں کی ایسوسی ایشن یا تنظیم سازی کا کنونشن، 1921ء میں کام کے اوقات کار کا کنونشن، 1923ء میں کم سے کم عمر کا کنونشن، 1923ء میں ہفتہ وار آرام کا کنونشن، 1923ء میں طبی معائنے کا کنونشن برائے نوجوانان، 1922ء میں متعدی بیماریوں سے بچاؤ کا کنونشن، 1922ء ڈاک یارڈ کے ملازمین کا حادثاتی کنونشن، 1932ء میں خواتین کے لئے رات کے اوقات کار کا کنونشن، 1927ء بحری جہازوں کے ملازمین کے تحفظ کا کنونشن، 1922ء حادثاتی علاج معالجہ میں برابری کے برتاؤ کا کنونشن منظور کر چکی تھی۔ ان کنونیشنز کی منظوری نے بھی مزدوروں کی جدوجہد کو ایک نیا رنگ دیا اور مزدوروں کو اپنے تحفظ کا احساس ہوا۔ 1934ء کے فیکٹریز ایکٹ اور 1926ء کے ٹریڈ یونین ایکٹ کے نفاذ کی وجہ سے ہندوستان میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔

ٹریڈ یونین کو ناکام بنانے کے ہتھکنڈے

آجروں کی طرف سے ٹریڈ یونینز کی تنظیم کو وجود میں آنے سے روکنے اور ناکام کرنے کے لئے درج ذیل منفی ہتھکنڈے آزمائے جارہے ہیں۔

1- دانستہ طور پر مزدوروں کو ملازمت پر تقرری کے لیٹرز سے اجتناب اور سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن سے گریز تاکہ مزدور ملازمت کا ثبوت نہ دے سکیں۔

2- مستقل کام کی جگہ پر روزانہ اجرت (Daily Wags) اور ٹھیکیداری نظام کا تسلط اور پیس ریٹ پر کام

3- بوقت ملازمت مزدوروں سے خالی کاغذوں پر دستخط کروا لینا اور بوقت ضرورت ان کو مزدوروں کے خلاف استعمال کرنا یا ان پر ملازمت سے استعفیٰ لکھ کر ملازمت سے فارغ کردینا۔

4- یونین سازی کی صورت میں یا تو ملازم ماننے سے انکار اور یا پھر سابقہ تاریخوں سے برخواست کرنے کے لیٹرز تاکہ ان کو آؤٹ سائیڈرز ثابت کیا جاسکے۔

5- غنڈہ گردی اور جعلی پولیس مقدمات میں ملوث کرکے ان کو گرفتار کروانا اور تشدد کے ذریعے یونین سے استعفیٰ لے لینا یا یونین سے لاتعلقی کا بیان۔

6- لالچ کے ذریعے خریدنے کی کوشش تاکہ لیڈرشپ کو فیکٹری چھوڑنے پر مجبور کیا جاسکے۔

7- محکمہ محنت کی ملی بھگت سے انکوائری جس میں تمام ممبران سے مالکان کے سامنے بیان لئے جاتے ہیں تاکہ مختلف مزدوروں کے بیان میں معمولی فرق کی بنیاد پر ٹریڈ یونین کی رجسٹریشن کی درخواست مسترد کی جاسکے۔

8- حفظ ماتقدم کے تحت دو۔دو پاکٹ یونینز کاغذی طور پر رجسٹر کروالینا تاکہ تیسری حقیقی یونین کے لئے 20 فیصد ممبرشپ کی شرط مشکل ہوجائے۔

9- رجسٹرڈ شدہ یونین کو لیبر کورٹ وغیرہ میں چیلنج کردینا تاکہ وہ لمبے عرصہ تک اپنی معمول کی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکے۔

10- اگر ادارے زیادہ ہوں تو دور دراز ٹرانسفر کرکے لیڈرشپ کو مزدوروں سے علیحدہ کردینا۔

11- بعض اوقات علاقہ کے مؤثر افراد یا غنڈوں سے لیڈرشپ کو دھمکیاں دلوانا اوران کے گھر والوں کو پریشان کرنا تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کو ٹریڈ یونین سے باز رکھیں۔

12- مہنگے وکلا کے ذریعہ مقدمات لڑنا اور حتی الامکان ججز کو بھی اپنے حق میں رام کرنے کے ہتھکنڈے۔

2.2: بنکنگ سیکٹر میں یونین ازم کی حوصلہ شکنی

بنکنگ سیکٹر پاکستان کا بہت بڑا اسکیٹر ہے جو پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔اپنے قیام سے ہی اس شعبہ میں یونین سازی کا عمل شروع ہوگیا تھا اور بنکوں کی یونینز نے ملکی مزدور تحریک میں ایک اہم کردار ادا کرنا شروع کیا۔ 1970ء کے بعد جب ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے سربراہ مملکت بنے تو انہوں نے دیگر بہت سے اداروں کے ساتھ ساتھ بینکنگ سیکٹر کو بھی قومی ملکیت میں لے لیا۔قومی ملکیت میں آنے کے بعد بنکوں کی یونین کی طاقت میں کئی گنا اضافہ ہوا اور پاکستان کی مزدور تحریک میں ان کا کردار مزید فعال ہوتا چلا گیا،لیکن جب 1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا خاتمہ کرکے ملک پر مارشل لاء مسلط کردیا گیا تو اسی دوران بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے نتیجہ میں جب نیو ورلڈ آرڈر کا نفاذ ہوا اور ڈبلیو ٹی او (ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن) بنی تو بین الاقوامی سطح پر یہ فیصلہ ہوا کہ حکومتیں اداروں کو قومی ملکیت میں لینے کی بجائے انہیں پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کریں اور پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کریں تو دیگر ممالک کی طرح پاکستان کے حکمرانوں نے بھی میں قومی ملکیت میں لی گئی بہت سی صنعتوں اور بنکوں کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کردیا۔پرائیویٹ مالکان کی پہلی خواہش یہ تھی کہ وہ ادارے جو حکومت نے انہیں واپس کئے ہیں ان میں یونین سازی پر پابندی عائد کردی جائے۔بنکوں کے نئے پرائیویٹ مالکان بھی ایسا ہی چاہتے تھے۔حکومت وقت نے بنکوں کی یونینز پر پابندی تو نہ عائد کی لیکن بنکنگ سیکٹر کی یونینز کی طاقت کو کم کرنے اوران کی سرگرمیوں کو محدود کرنے کے لئے ان پر 2A اور 27/B جیسے قوانین کا اطلاق کردیا۔جس کا مطلب یہ تھا کہ بنک ملازمین اپنی یونین تو بنا سکتے ہیں،اس کے ممبر بھی بن سکتے ہیں،لیکن ان پر ہڑتال کرنے اور بنکنگ کے اوقات کار کے دوران یونین کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی گئی۔اس طرح بنکنگ سیکٹر کی یونینز عملاً صرف دکھاوے کی یونینز رہ گئی ہیں۔اب بنک مالکان نے ملازمین کی بڑی تعداد کو جن میں زیادہ اکثریت کیشئرز کی ہے انہیں بیسک پے سکیل (PBS) کے تحت ترقی دے کر افسر بنا دیا ہے۔اس طرح تقریباً 75 فیصد ملازمین یونین سازی کے حق سے محروم ہوگئے ہیں۔جن ملازمین کو افسر بنایا گیا ہے۔عملاً انہیں کسی بھی قسم کے کوئی اختیارات نہیں دیئے گئے۔ان کی حیثیت وہی ہے جو ترقی پانے سے قبل تھی،لیکن اس طرح ملازمین کی تعداد کا ایک بہت بڑا حصہ یونین سازی کے عمل سے باہر ہوگیا۔اس طرح بہت ٹیکنیکل طریقے سے بنکنگ سیکٹر کی یونینز کو تقریباً بے اثر کردیا ہے۔

ان تمام حالات سے دلبرداشتہ ہوکر اکثر مزدور یا تو یونین نہیں بناتے یا پھر فیڈریشنز بھی ان کو مشورہ دیتی ہیں کہ وہ ابھی یونین نہ بنائیں، تاکہ کم از کم ملازمت تو برقرار رہے اور مناسب وقت کا انتظار کریں جب حالات مزدوروں کے حق میں ہوں یا کم از کم متوازن پالیسیاں ہوں، تاکہ موجود قوانین کی مطابقت میں فیصلے اور حقوق کا تحفظ یقینی ہوسکے۔

پاکستان میں ٹریڈ یونینز کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لیبر قوانین پر عملدرآمد ایک ادھورا خواب ہے۔ غیر ملکی بیرونی دباؤ اور دیگر سول سوسائٹی کی تنظیموں کا مزدوروں کے حق میں جس قدر بھی دباؤ ہو اس سے فرق تو ضرور پڑسکتا ہے، لیکن جب تک مزدور ٹریڈ یونینز میں منظم نہ ہوں وہ اپنے تمام قانونی حقوق اور مراعات حاصل نہیں کرسکتے۔ اس لئے ٹریڈ یونینز کا قیام اور ان کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کروانا ہی سب سے بڑا اور اولین کام ہے۔

اگر ہم موجودہ ٹریڈ یونینز اور ان کی ممبرشپ کا جائزہ لیں تو رجسٹرڈ سی بی اے کی صورت حال کوئی زیادہ قابل رشک نہیں ہے لیبر محکموں میں ٹریڈ یونین ممبرشپ کا تازہ ترین ریکارڈ جمع کرنے اور رکھنے کا کوئی باقاعدہ نظام موجود نہیں ہے مزدور تنظمیں بھی اپنی بڑھتی ہوئی ممبرشپ کا ریکارڈ باقاعدہ طور پر متعلقہ اداروں کو فراہم نہیں کرتی۔ ڈینش ٹریڈ یونین کونسل کے محنت کی منڈی کے مطالعہ برائے 2013 کے مطابق پاکستان میں 1905 سی بی اے یونینز موجود تھیں جن کی ممبرشپ تقریباً 18 لاکھ تھی۔ ملک میں تقریباً 15 موثر ملک گیر ٹریڈ یونین سینٹرز / فیڈریشنز ہیں اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں شعبہ وارانہ (Sectoral / Industrial) فیڈریشنز فعال ہیں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن میں دونوں شعبوں کی کل 14 فیڈریشنز شامل ہیں۔

اس وقت ٹریڈ یونینز کے طریقہ کار کے مطابق ایک آجر کے ادارے میں ایک یونین یا ایک سے زائد یونینز کا حق ہے اور جن اداروں میں کوئی یونین نہیں ہے۔ وہاں تصور یہ کیا جاتا ہے کہ مزدور ٹریڈ یونین میں دلچسپی نہیں رکھتے اور وہ مطمئن ہیں۔ ایک سے زائد یونینز کی صورت میں دو سال بعد ریفرنڈم ہوتا ہے جس سے اجتماعی سوداکاری کا تعین ہوتا ہے، لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان یونینز کے اندرونی الیکشن خفیہ رائے شماری سے نہیں ہوتے۔ اگر دونوں رجسٹرڈ یونینز مالکوں کی خیرخواہ اور ان کے ایما پر رجسٹرڈ ہوں تو جعلی ریفرنڈم کے ذریعے وہ باری باری اپنا اجتماعی سوداکاری کا عرصہ گزارلتی ہیں اور مزدوروں کے مسائل جوں کے توں رہتے ہیں۔

اس تمام صورت حال کے تدارک کیلئے درج ذیل تجاویز ہیں۔

تجاویز

1- ماسوائے فوج اور پولیس کے تمام صنعتوں اور اداروں میں تنظیم سازی کا غیر مشروط حق

2- مرکزی اور صوبائی صنعتی تعلقاتی ایکٹس یا آرڈیننس سے ان تمام خامیوں کا خاتمہ جو تنظیم سازی میں رکاوٹ ہوں اور جن امور کی نشاندہی (ILO-CEACR) کی رپورٹوں میں باقاعدگی سے کی جاتی رہی ہے۔

3- غیر رسمی شعبوں، زرعی سیکٹر، فشریز ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز کو تنظیم سازی کا حق اور ساتھ ہی آئی ایل او کے متعلقہ کنونشن کی توثیق

4- سیکٹر وائز یا انڈسٹری وائز یا جنرل یونین کے قیام کی قانون میں گنجائش ہوتا کہ تمام مزدور اپنی سیکٹر وائز یونین میں منظم ہوکر موثر قوت بن سکیں، جبکہ انفارمل سیکٹر کے لئے جنرل ٹریڈ یونین کا طریقہ کار متعارف کرایا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ مزدور منظم ہوسکیں۔

5- تیسری یونین کے لئے 20 فیصد ممبرشپ کی شرط کا خاتمہ۔

6- مرکزی اور صوبائی صنعتی تعلقاتی ایکٹس میں آوٹ سائیڈر کے لئے یکساں کوٹہ یعنی ایگزیکٹو باڈی کا 25 فیصد یقینی حصہ بنایا جائے۔ حالیہ آوٹ سائیڈرز کے خلاف عدالت فیصلوں کا جن میں آوٹ سائیڈر کے لئے بھی کسی جگہ ملازم ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اسمبلی کے ذریعے واضح قانون سازی سے تدارک کیا جائے تاکہ ٹریڈ یونین تحریک سے وابستہ باشعور اور تجربہ کار لیڈرشپ اپنا مثبت کردار بدستور ادا کرسکے۔

7- بنکوں سے سیکشن 27-B کا خاتمہ۔

8- رسمی اور غیر رسمی شعبوں میں سیکٹر وائز اور جنرل ٹریڈ یونین کا حق۔

9- تمام مزدوروں کو ملازمت پر تقرری کے لیٹرز کا لازمی اجرا، سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن

10- تمام مستقل آسامیوں پر صرف مستقل ملازمین کا تقرر اور عارضی اور ٹھیکیداری سسٹم کا مکمل خاتمہ۔

11- ہر ادارہ میں ایک یونین لازمی طور پر رجسٹرڈ ہو اور تمام مزدور اس کے ممبر ہوں اور ہر دو سال بعد اس کے محکمہ محنت کی نگرانی میں خفیہ رائے شماری سے الیکشن ہوں۔ یہ طریقہ کار بہت سے اداروں میں انتہائی کامیاب رہا ہے۔

12- ٹریڈ یونینز کو یہ شعور دیا جائے کہ ملک گیر سطح کی فیڈریشنز کی اہمیت کیا ہے اور اسی طرح بین الاقوامی سطح پر تنظیموں سے رابطے اور ان کی ممبر شپ کیوں ضروری ہے تاکہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ٹریڈ یونین تحریک کو مضبوط کیا جا سکے۔

13- ٹریڈ یونینز کو ممبران سے مناسب فنڈز کے لئے ترغیب دی جائے تاکہ برے حالات میں مالی مشکلات پر قابو پایا جا سکے۔

14- ٹریڈ یونینز فیڈریشن کو اس قدر مضبوط کریں کہ اچھے وکلا کی خدمات کا حصول بڑا مسئلہ نہ ہو۔

2.3: ملک گیر ٹریڈ یونینز فیڈریشنز

ٹریڈ یونین تحریک میں اس امر پر بحث مباحثہ ہوتا رہتا ہے کہ مقامی یونین اور ملک گیر فیڈریشنز میں اہمیت کے لحاظ سے زیادہ ترجیح کس کو دی جانی چاہئے ویسے تو یہ دونوں ادارے ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم اور ایک دوسرے کی مضبوطی اور قوت کا سبب ہیں۔ لیکن بعض مقامی ٹریڈ یونین لیڈران کا رجحان زیادہ تر اپنی یونین کو ہی اہمیت دینے کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ دراصل ماضی میں صورت حال ایسی رہی ہے کہ جب کوئی خاص سیاسی پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو اس سے وابستہ لوگ یکدم نئی فیڈریشن قائم کر لیتے ہیں اور پارٹی کی اقتدار سے رخصتی کے ساتھ ہی یہ فیڈریشنز بھی غائب ہو جاتی ہیں جس کا منفی اثر ان فیڈریشنز پر بھی پڑتا ہے جو مزدوروں کی حقیقی نمائندہ اور مستقل مزاجی کے ساتھ مسلسل مزدوروں کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض مقامی یونینز فیڈریشنوں سے دور رہ کر مقامیت پسندی کا شکار ہو جاتی ہیں اور وسیع تر مزدور تحریک کا حصہ نہ بن کر اپنا موثر کردار ادا کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مقامی یونینز ہی کسی ملک گیر فیڈریشن کی بنیاد اور انسانی و مالی وسائل کا بنیادی ماخذ ہوتی ہیں اور اگر یہ یونینز کمزور ہو جائیں تو فیڈریشن پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، لیکن ملک گیر فیڈریشنز کی اہمیت بعض پہلوؤں سے بہت مسلمہ ہے۔

مختلف مقامی یونینز کے مسائل کے حل میں مدد کرتے ہوئے ان میں وسعت نظر ہوتی ہے جو ان کو اہم موڑ پر بہتر فیصلہ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ عالمی حالات سے باخبر رہنے یا براہ راست عالمی تحریک سے منسلک ہونے کی وجہ سے ان کو سرمایہ دارانہ استحصال کی جدید شکلوں اور طریقہ کار کا علم ہوتا ہے اور اس کے خلاف بین الاقوامی سطح پر مزاحمت اور جدوجہد کی شکلوں سے بھی واقفیت ہوتی ہے اس کے لئے وہ اپنے ملک میں بھی یونینز کو بہتر مشورہ دینے اور صحیح سمت میں گائیڈ کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ ملکی سطح پر کلیدی عہدوں پر فائز لوگوں سے رابطوں اور تبادلہ خیال وغیرہ کی وجہ سے ان کو مزدوروں کے بارے میں حکومتی عزائم کا اندازہ ہو جاتا ہے جس سے وہ بہتر شعور کے ساتھ کم سے کم جدوجہد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی حکمت عملی اور طریقہ کار ترتیب دے سکتی ہیں پھر مزدوروں کے بارے میں ہونے والی قانون سازی پر مستقل نظر رکھتے ہوئے ممبران اسمبلی، مزدوروں، سیاسی پارٹیوں اور میڈیا میں اپنا نقطہ نظر بیان کر کے اس قانون سازی کو مزدوروں کے حق میں بہتر کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہیں اور آئی ایل او کے کنونشنز یا ملکی آئین کے خلاف قانون سازی پر ملکی اور عالمی فورمز پر بھرپور احتجاج کروا کر اس کو منسوخ کروانے کی کوشش کرتی ہیں۔ تمام مقامی یونینز کو مرکزیت دے کر ان کو مضبوط قوت اور طاقتور تنظیم کا رتبہ مہیا کرتی ہیں اور جب بوقت ضرورت کسی مقامی یونین کی امداد کرتی ہیں تو یونین مخالف آجروں اور حکومت کو فیڈریشن کی کل طاقت کا اندازہ ہوتا ہے تو مقامی یونین کی سوداکاری کی قوت بڑھ جاتی ہے اور وہ اپنا مسئلہ حل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

یہ ملک گیر فیڈریشنز ہی ہیں جو ملکی اور عالمی سطح کے اہم ترین فورمز پر منظّم اور غیر منظّم رسمی اور غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کے مسائل کو اجاگر کر کے ان کے مسائل کے حل میں معاونت کا سبب بنتی ہیں اور ان کے لئے بہتر شرائط ملازمت، صحت وسلامتی کے معیارات اور بہتر حالات کار اور سہولیات کے حصول کا سبب بنتی ہیں۔ فیڈریشنز کا ایک اہم کردار غیر منظّم اداروں اور شعبوں میں مزدوروں کو یونین بنا کر منظّم کرنا ہے۔

اگر مقامی یونینز ملک گیر فیڈریشنز کی بنیاد ہیں تو فیڈریشنز بھی ان کا بہت بڑا اور قابل اعتماد سہارا اور ان کے مفادات کی محافظ ہیں۔ اس لئے تمام یونینز کو انسانی و مالی وسائل کے ساتھ ہمیشہ ملک گیر فیڈریشنز کو مضبوط کرنا چاہئے تاکہ ملک گیر سطح پر مزدور منظّم ہو کر بہتر انداز میں اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں اور ظلم و جبر و استحصال کا خاتمہ یا ان میں کمی کر سکیں۔

باب 3: محنت کی منڈی۔ امتیازات وعدم مساوات

ہمارے ملک میں پدرسری معاشرہ اور جاگیر دارانہ سماجی قدریں حاوی ہونے کی وجہ سے خواتین مردوں کی نسبت نہ صرف پسماندہ ہیں، بلکہ مختلف حوالوں سے امتیازی سلوک اور رویوں کا شکار بھی رہی ہیں۔ معاشرہ میں خواتین سماجی، سیاسی اور معاشرتی حوالوں سے مختلف تعصّبات اور امتیازی صنفی رویوں کا شکار تو ہیں ہی ان کو ملازمتوں اور پیداواری عمل میں شریک ہو کر بھی یکساں کام کے یکساں معاوضہ کے اصول میں امتیازی سلوک اور رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اور بھی باعثِ تشویش ہے کہ ایک ہی طرح کے کام سے منسلک مرد و عورت کارکنوں کو بھی مختلف قانون میں بانٹ کر مساویانہ معاوضہ نہیں دیا جاتا اور مراعات میں وسیع تفریق پیدا کردی گئی ہے۔

ILO کے بنیادی کنونشنز 100 اور 111 ان امتیازات کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور محنت کی منڈی میں مساوات قائم کرنے پر زور دیتے ہیں۔ کنونشن 100 مرد اور خواتین کارکنوں کے مساوی کام کے مساوی معاوضے کے اطلاق پر زور دیتا ہے۔ جبکہ کنونشن 111 روزگار اور پیشے کے میدان میں ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے پر توجہ دلاتا ہے۔

آئین کے آرٹیکل 26،25 اور 27 میں صنفی بنیاد پر ہر قسم کے امتیازی رویوں سے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور پاکستان نے آئی ایل او کے کنونشن 100 کی بھی توثیق کر رکھی ہے۔ اس کے باوجود پیداواری عمل اور اداروں میں یکساں قدر کے کاموں میں یکساں اجرت میں صنفی طور پر امتیازی رویے بدستور موجود ہیں بڑے اداروں میں جہاں لیبر معیارات پر عملدرآمد کی صورتحال بہتر ہے اور جہاں ٹریڈ یونینز موجود اور مضبوط ہیں ان اداروں میں امتیازی معاوضوں کا رویہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے لیکن درمیانی اور چھوٹے اداروں میں یہ پریکٹس موجود ہے۔ آجروں کو اس امر کا احساس ہے کہ خواتین کم اجرت پر بھی صابر و شاکر رہ کر محنت و مزدوری جاری رکھتی ہیں، تاکہ ان کی ملازمت برقرار رہے وہ کم اجرت پر احتجاج بھی کم ہی کرتی ہیں اور ٹیکسٹائل اور ملبوسات کی تیاری کے کارخانوں میں جہاں خواتین زیادہ ملازم ہیں ان اداروں میں حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونینز کم ہی منظّم ہیں اس لیے موثر احتجاج اور اجتماعی جدوجہد کی نوبت کم ہی آتی ہے اس طرح دیگر شعبوں میں پیداواری عمل میں شریک خواتین، امتیازی معاضوں کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ انتہائی ذہین اور لائق اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین پرائیویٹ سکولوں اور تعلیمی اداروں میں بہت کم اجرتوں پر تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور پرائیوٹ ہسپتالوں میں بھی خواتین ملازمین کی صورتحال ناگفتہ بہ ہے۔

ہماری افرادی قوت کی شرح ویسے بھی کم اور خواتین کارکنان کی شمولیت افسوسناک حد تک کم ہے۔ جیسا کہ باب نمبر 1 میں صراحت سے پیش کیا گیا ہے۔ خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں شرح محض 34 فیصد ہے۔ جو خطے اور ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بھی انتہائی کم ہے۔ اس میں کنبہ کی دیکھ بھال اور غیر اجرتی خواتین کی بڑی تعداد شامل ہے گرچہ گزشتہ دو عشروں میں خواتین کی روزگار کے عمل میں شمولیت میں اضافہ ہوا ہے لیکن مرد اور خواتین کی شمولیت کا صنفی فرق 3 گنا ہے مختلف صوبوں اور خطوں میں خواتین کی شمولیت میں کافی فرق ہے اس پر مستزاد خواتین کارکنان کی بیروزگاری مردوں سے 70 فیصد زیادہ ہے۔ خواتین کی بیروزگاری کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور ڈگری یافتہ خواتین کی بیروزگاری کی شدت 20 سے 25 فیصد تک ہے۔ ایک احسن بات جو مطالعہ میں سامنے آئی ہے کہ خواتین کا روزگار معشیت کی نمو بہتر ہونے سے بہتر ہوتا جا رہا ہے یہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ خواتین نہ صرف معیشت کے بہتر ہونے سے مستفید ہوتی ہیں، بلکہ ان کی روزگار کی شرح معیشت کی نمو بڑھانے میں بھی کارگر ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح خواتین کارکن پیشوں اور شعبوں میں روزگار کے حوالے سے امتیازی سلوک کا شکار ہیں ان کو زیادہ تر ملازمتیں مخصوص شعبوں ہی میں ملتی ہیں جیسے پیرامیڈیکل سٹاف میں نرسز، ڈاکٹرز، سکول ٹیچرز، پروفیسرز، ٹیلیفون آپریٹر جبکہ غیر رسمی شعبوں میں بطور ہوم بیسڈ ورکرز اور ڈومیسٹک ورکرز ابھی تک سرکاری اور نیم سرکاری حتیٰ کہ پرائیویٹ اداروں میں بھی ایسے شعبے اور پیشے موجود ہیں جہاں خواتین کے لئے ملازمتوں کا حصول ناممکن ہے اور وہ امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔

3.1: گھر سے کام کرنے والے (ہوم بیسڈ) کارکنان

پاکستان میں روزگار کا حصول ہمیشہ ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ آبادی کی زیادتی اور روزگار فراہم کرنے والے ذرائع کی کمی کی وجہ سے پاکستان میں غیر روایتی شعبہ دن بہ دن بڑھتا چلا جا رہا ہے، غیر روایتی شعبہ میں ہوم بیس ورکرز کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس شعبہ سے منسلک خواتین وحضرات اپنے گھروں یا اپنی منتخب جگہوں پر یا تو مارکیٹ کے لئے ٹھیکیدار کے توسط سے ضرورت کی اشیاء تیار کرتے ہیں یا خود ہی، مارکیٹ کی ضرورت کے مطابق اشیاء تیار کر کے فروخت کرتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان میں 75 فیصد غیر روایتی ورکرز میں سے 65 فیصد ورکرز کا تعلق ہوم بیس ورکرز سے ہے۔ ان 65 فیصد میں خواتین ورکرز کی تعداد 85 فیصد ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس شعبہ میں مرد ورکرز کی تعداد صرف 15 فیصد ہے۔ یہ کام زیادہ تر خواتین اپنے گھروں پر کرتی ہیں تو لازمی ہے کہ اس کام میں بچے بھی ان کے شریک کار ہوتے ہوں گے۔ یہ خواتین وحضرات جو مارکیٹ کی ضروریات کے مطابق اشیاء تیار کرتے ہیں ان میں زیادہ تر سلائی کڑھائی، مختلف اشیائی کی پیکنگ پر ان کی صفائی اور پیکنگ، قالین بافی، فٹ بال بنانا، والی بال بنانا، جوتے بنانا، صابن بنانا، ڈیکوریشن کا سامان تیار کرنا، ایمبر ائیڈری، اگربتی تیار کرنا، چوڑیاں بنانا، شاپنگ بیگ تیار کرنا، لانڈری کا کام کرنا، بیوٹیشن کا کام کرنا، بالوں کی کٹنگ کا کام کرنا، جوتے مرمت کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس شعبہ میں بھی بہت جدت آئی ہے۔ مثلاً ٹائپنگ کرنا، ترجمہ کرنا، ڈیٹا اکٹھا کرنا، اکاؤنٹنگ، ٹیلی مارکیٹنگ، میڈیکل، مشاورت، تعمیراتی مشاورت، ٹیکس کنسلٹنگ کمپیوٹر پروگرامنگ وغیرہ کا کام بھی انفرادی سطح پر گھروں میں ہی سرانجام دیا جاتا ہے۔

غیر روایتی شعبہ میں جو خواتین وحضرات گھروں میں یا اپنی کام کی جگہوں پر کام کرتے ہیں ان کے کام کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے۔

1- دکاندار، کسی ٹھیکے دار کے توسط سے ان خواتین وحضرات سے اپنی ضرورت کی اشیاء تیار کرواتے ہیں۔ وہ انہیں اپنا ڈیزائن، اپنا خام مال اور دیگر اشیاء فراہم کرتے ہیں اور ان سے پیس ریٹ پر کام کرواتے ہیں۔ اس صورت میں کام کرنے والوں کو اپنی بنائی ہوئی اشیاء کی مارکیٹنگ نہیں کرنا پڑتی۔ انہیں ان کا طے شدہ فی پیس معاوضہ مل جاتا ہے۔

2- دوسری شکل میں وہ اپنے تمام تر ضروری اوزار، خام مال، خود خریدتے ہیں اور اپنا مال تیار کر کے مارکیٹ میں فروخت کرتے ہیں۔

3- ایک شکل ایسی بھی ہے کہ بعض لوگ ان کاریگروں سے اپنی ضرورت کے مطابق مال تیار کروا کر، اس مال کو مختلف شہروں میں دکانداروں کے پاس فروخت کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان کاریگروں سے مال بنوا کر براہ راست دوسرے ممالک کو ایکسپورٹ بھی کرتے ہیں۔

گھروں میں کام کرنے والے کاریگر، جو بھی مال تیار کرتے ہیں انہیں ان تینوں شکلوں میں معاوضہ ان کی محنت کے مطابق نہیں ملتا۔ یہ کام کرنے والے زیادہ تر غریب لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس خام مال کی خریداری کے لئے معقول رقم نہیں ہوتی، بنک یا دیگر ذرائع سے انہیں قرضہ بھی نہیں ملتا۔ اس لئے وہ مجبور ہوتے ہیں کہ مارکیٹ ہی سے، ان کا مال خریدنے والوں سے ان کی شرائط پر قرض حاصل کریں اور اپنا کام جاری رکھ سکیں، ٹھیکیدار بھی انہیں اپنی شرائط پر ایڈوانس رقم دیتا ہے۔ جو کاریگر اپنا مال خود تیار کر کے خود ہی مارکیٹ میں فروخت کرتے ہیں وہ اکثر مارکیٹ میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا شکار رہتے ہیں۔ مارکیٹ کی مندی بھی ان کے کام کو متاثر کرتی ہے۔ ہڑتالیں، تہواری چھٹیاں یا موسمی حالات بھی ایسے کاریگروں کی آمدنی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔
گھروں میں کام کرنے والے ان کاریگروں کو نہ تو سوشل سکیورٹی کی سہولت حاصل ہے اور نہ وہ ای او بی آئی میں رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔ ان بکھرے ہوئے کاریگروں کی کوئی باضابطہ مضبوط یونین بھی موجود نہیں ہے۔ کچھ تنظیمیں ان کی یونین سازی کی کوششوں میں مصروف ضرور ہیں لیکن ابھی تک ان ہوم بیس ورکرز کو کسی قانونی نیٹ ورک میں تحفظ نہیں مل سکا ہے۔ یہ لوگ جو گھروں میں کام کرتے ہیں، وہ ایسے کیمیکل کا استعمال بھی کرتے ہیں جو صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہوتے ہیں، لیکن ان کاریگروں کی اکثریت کیمیکل کے نقصان دہ اثرات سے مکمل آگاہی نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ ان کے نقصانات سے محفوظ رہنے کے لئے حفاظتی سامان استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے کام کروانے والے انہیں ہیلتھ اور سیفٹی کا کوئی سامان فراہم کرتے ہیں، صوبائی اور قومی حکومت بھی اس سلسلہ میں آج تک کوئی کردار ادا نہیں کر پائی۔ ان ورکرز کو درپیش مسائل پر اب کچھ عرصہ سے لکھا تو بہت کچھ جا رہا ہے، لیکن ابھی تک سب کچھ صرف کاغذوں تک ہی محدود ہے

جیسا کہ کہ پہلے باب میں ذکر کیا گیا ہے خواتین و مرد ملازمتوں کا امتیاز شعبہ جاتی سطح پر مزید گہرا ہو جاتا ہے۔ 93 فیصد خواتین زراعت اور غیر رسمی شعبہ میں کام کرتی ہیں۔ جبکہ صرف 7 فیصد رسمی شعبہ سے منسلک ہیں۔ صرف 26 فیصد خواتین اجرتی و تنخواہ دار ملازم ہیں۔ جبکہ 55 فیصد تک بلا معاوضہ کنبے کی اعانت میں شامل ہیں اور معاشی فوائد سے محروم ہیں۔ اس جائزہ کی روح سے خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں شمولیت کی شرح روزگار اور بیروزگاری کے اعداد و شمار مبالغہ آرائی محسوس ہوتے ہیں۔ جس شعبے کا بھی جائزہ لیں اکثر خواتین کی ملازمتیں غیر محفوظ (Vulnerable and precarious) نظر آتی ہیں اور خواتین کی اعلیٰ شعبوں میں شمولیت انتہائی ناکافی ہے یہ ہی وہ حالات ہیں جس کی وجہ سے مجموعی طور پر خواتین کارکنان کی اجرت مرد کارکنان سے 60 فیصد تک کم ہے مختصر یہ کہ محنت کی منڈی میں صنفی امتیاز ہمارے ملک کا انسانی وسائل کا بہت بڑا نقصان ہے اور ہماری ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے۔

خواتین ورکرز امتیازی معاوضوں کا شکار تو ہیں ہی آجروں نے مستقل نوعیت کے پیداواری عمل میں شریک کارکنوں کو مساوی معاوضوں اور مراعات سے محروم رکھنے کے لئے ان کارکنوں (مرد وخواتین) کو مختلف خانوں (کیٹگریز) میں بانٹ رکھا ہے اور ان کارکنوں کو مستقل، عارضی، کنٹریکٹ لیبر اور پیس ریٹ ورکرز میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اکثر کارخانوں میں اگر پچاس مستقل ورکرز ہیں تو پانچ سو سے زائد عارضی، کنٹریکٹ اور پیس ریٹ پر رکھے گئے مزدور ہیں۔ حالانکہ ایک طرح کے پیداواری عمل میں شرکت کی وجہ سے وہ یکساں معاوضوں، مراعات اور سہولیات کے حق دار ہیں، لیکن ان کے معاوضوں میں بہت ہی نمایاں فرق موجود ہے۔ مستقل ورکرز کو تقرری کے لیٹرز دیئے جاتے ہیں جن میں شرائط ملازمت درج ہوتی ہیں۔ ان کا سروس ریکارڈ بھی رکھا جاتا ہے اور سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن بھی کروائی جاتی ہے ان کو ہفت روزہ، اتفاقیہ، میڈیکل، سالانہ اور میٹرنٹی لیو کی سہولتیں اور کم از کم اجرت بھی ادا کی جاتی ہے۔ لیکن کنٹریکٹ لیبر اور عارضی و پیس ریٹ ورکرز ان تمام سہولتوں سے محروم ہیں ان کو بعض اداروں میں کینٹین اور فیئر پرائس شاپس کی سہولت میسر نہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ روزگار کے عدم تحفظ کے خوف کی وجہ سے یہ عارضی مزدور نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں لیکن ان کی شرائط ملازمت ناقص اور معاوضے کم ہیں۔

نقل مکانی کرنے والے کارکنان اور غیر ملکی ورکرز بھی پاکستان میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کو اجرتوں اور معاوضوں میں بھی امتیازی سلوک کا سامنا ہے اور بعض پیشوں اور شعبوں میں روزگار کے حصول میں بھی امتیازی رویوں کا سامنا ہے۔ ان کو مقامی مزدوروں سے کم اجرت پر ملازم رکھا جاتا ہے۔ افغان مہاجرین ورکرز خاصی تعداد میں کارپٹ انڈسٹری اور دیگر اداروں میں کم اجرت پر ملازمت کر رہے ہیں۔ یہ مزدور ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے دور رہتے ہیں ان کی کم اجرتوں اور دیگر کم سہولیات کی وجہ سے مقامی مزدوروں کی سودا بازی کی قوت بھی کمزور اور غیر موثر ہوتی ہے۔ اسی طرح ملک میں بنگلہ دیشی کارکن (مرد و خواتین) برمی اور افریقی مما لک کے مزدور بھی مقیم اور ملازمتوں، روزگار اور اجرتوں میں امتیازی سلوک کا شکار ہیں اور ان کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ غیر ملکی کارکن کم معاوضوں اور روزگار کے سلسلے میں امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔

3.2: پاکستانی اقلیتیں اور ان کے مسائل

پاکستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے۔ پاکستان میں مذہبی حوالوں سے اگر جائزہ لیا جائے تو ملکی آبادی کی بڑی اکثریت یعنی 98 فیصد آبادی، مسلم مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ہندو، عیسائی، پارسی، بدھ، سکھ اور بہائی بھی آباد ہیں۔ 1974ء میں اقلیت قرار دی گئی احمدی برادری بھی پاکستان میں رہائش پذیر ہے۔ جب سے پاکستان، افغان وار میں ملوث ہوا ہے ''طالبان کلچر'' نے پاکستان کی بعض مسلم مذہبی تنظیموں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھایا ہے تو فقہی اختلافات کی بناء پر وہ پاکستان میں آباد تقریباً 10 تا 12 فیصد شیعہ مسلمان کے علاوہ 2.9 ملین آغا خان مسلمانوں کو بھی اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ گو کہ پاکستانی معاشرے میں اس نعرے یا مطالبے کو کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی ہے، لیکن یہ مطالبہ بار بار دہرایا ضرور جاتا ہے۔

پاکستان میں جتنی بھی اقلیتیں آباد ہیں ان میں سے عیسائی اور ہندو اقلیت کی صورت حال دیگر اقلیتوں سے مختلف ہے۔ یہ دونوں اقلیتیں، جن کی اکثریت غریب افراد پر مشتمل ہے۔ قیام پاکستان سے ہی ایسے شعبوں، جیسے صفائی کا کام کرنا، گندگی صاف کرنا، مردہ جانوروں کو ٹھکانے لگانا، بے زمین ہاری، بھٹوں پر کام کرنا، ہسپتالوں کے شعبہ پوسٹمارٹم میں ملازمت کرنا اور ایسے ہی دیگر کاموں کو سرانجام دینا ہے۔ ہندو آبادی کی زیادہ تر اکثریت سندھ میں آباد ہے۔ سندھ کا جاگیردارانہ معاشرہ ان کے مسائل میں اضافہ کا ایک بڑا سبب ہے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ جاگیردارانہ علاقوں میں رہنے والی ہندو اقلیت، غلاموں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اول تو یہ اقلیت، تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہے، لیکن جو لڑکیاں اور لڑکے تعلیم حاصل کر لیتے ہیں انہیں ملازمت حاصل کرنے میں بے پناہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی لڑکی یا لڑکا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے تو اسے بھی مشکلات کا ہی سامنا رہتا ہے۔ گو کہ ملکی قانون میں انہیں تمام تر حقوق دیئے گئے ہیں۔ انہیں ووٹ، دینے، تنظیم بنانے، سیاسی جماعت بنانے، غرض کہ تمام تر حقوق حاصل ہیں، لیکن سماجی طور پر ایسا نہیں ہے۔ معاشرتی تعصب کی جھلک کہیں نہ کہیں نظر آجاتی ہے۔ اس رویے میں بھی افغان جنگ کی مذہبی شدت پسندی کے فروغ نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ 1980 سے قبل پاکستانی اقلیتیں، خاص کر ہندو اور عیسائی، ان مسائل کا شکار نہیں تھے جن کا شکار وہ 1980ء کے بعد ہوئے۔

ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سی صنعتوں، اداروں اور دفاتر میں ہندو اور عیسائی ورکرز کو کینٹین میں کھانا کھانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ایسا قانوناً تو نہیں ہے لیکن ایسا ہوتا ضرور ہے۔

اسی طرح بلوچستان میں آباد ہزارہ برادری جن کا تعلق شیعہ مسلم کمیونٹی سے ہے اور جن کا شمار پاکستان کی اکثریتی آبادی میں ہوتا ہے۔انہیں اقلیت اور نہ جانے کیا کیا نام دے کر قتل کرنے کے لاتعداد واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

ایک نئی لہر جو سندھ کے جاگیردارانہ علاقوں میں سر اٹھا رہی ہے وہ ہندو لڑکیوں کو زبردستی ،ان کی مرضی کے خلاف مسلمان کر کے ان سے شادی کرنے کی ہے۔اس لہر کے اثرات نے بہت منفی کردار ادا کیا ہے اور بہت سی ہندو برادریاں یا ہندو خاندان پاکستان سے نقل مکانی پر بھی مجبور ہوئے ہیں۔یہ سب کچھ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔پاکستان کا آئین، پاکستان میں آباد تمام اقلیتوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود کبھی نہ کبھی ایسے دلخراش واقعات رونما ہو جاتے ہیں جیسے عیسائیوں کی بستیوں کو آگ لگا دینا، ان کے گرجا گھروں کو جلا دینا، انہیں ایسے مقدمات میں الجھا دینا، جن میں وہ اپنی صفائی بھی پیش نہ کر سکیں، ایسے واقعات کا رونما ہونا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں شدت پسندی میں اضافہ ہوا ہے، جبکہ ماضی میں پاکستانی معاشرہ ایسا نہ تھا۔یہاں آپسی بھائی چارہ تھا، ہندو اور عیسائی اقلیت، صفائی اور گندگی اٹھانے کا کام کرتی تھی، لیکن ان سے اس طرح نفرت نہیں کی جاتی، جس کی لہر 1980ء کے بعد آئی ہے۔اس طرح کے رویوں کے اثرات، پاکستان کی مزدور تحریک پر بھی مرتب ہوئے ہیں، گو کہ مزدور تحریک پر یہ کوئی زیادہ گہرے اثرات مرتب نہیں کر سکے، لیکن جس حد تک یہ اثرات، مزدور تحریک میں در آئے ہیں، ان کا خاتمہ کرنا ضروری ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسا کوئی ادارہ نہیں جو دیکھے کہ آخر ایک ہی پیداواری عمل میں شریک ان مزدوروں کو تقسیم کرنے کا اخلاقی اور قانونی جواز کیا ہے؟ حالانکہ عدالت عالیہ اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کے مطابق کسی بھی ادارہ کے تمام مزدوروں (مرد و خواتین) کی اجرت، مراعات، سہولیات، صحت و حادثات کے معاوضوں وغیرہ کی ذمہ داری اصل مالک پر ہی عائد ہوتی ہے۔اس کے باوجود کوئی بھی حکومتی ادارہ امتیازی طرح کی ملازمتوں پر معترض نہیں ہے اور نہ ہی ان کے بارے میں تحقیق اور ان کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور ملازمتوں کی ان کئی طرح کے طریقے کار کی وجہ سے مزدوروں کی اکثریت اپنے تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کے حق سے بھی محروم رہتی ہے۔ ضروری ہے کہ:

تجاویز

1- خواتین ورکرز کے بارے میں ایک ہمہ جہتی پالیسی بنائی جائے جو ان کی محرومیوں اور امتیازی سلوک کے ازالہ کے لئے معاون ثابت ہوں۔

2- فوری ضرورت ہے کہ ایک طرح کے کام کے یکساں معاوضہ کے لئے خصوصی قانون بنایا جائے اور اس پر عملدر آمد کو یقینی بنایا جائے مختلف اداروں میں سروے کرا کر اس مسئلہ کی نوعیت اور وسعت کا اندازہ لگایا جائے۔

3- غیر رسمی شعبوں میں لیبر قوانین کا اطلاق کیا جائے تا کہ کارکنوں کو کم از کم اجرت اور دیگر مراعات میسر ہو سکیں۔

4- خواتین ورکرز کی ٹریننگ تا کہ وہ اعلیٰ شعبوں اور عہدوں پر کام کر سکیں۔

5- مستقل نوعیت کے پیداواری اداروں میں عارضی، کنٹریکٹ اور پیس ریٹ ورکرز کا خاتمہ کر کے صرف مستقل مزدور ملازم رکھے جائیں۔

6- ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز بارے آئی ایل او کے کنونشنز C177 اور C-189 کی توثیق کی جائے۔

7- غیر ملکی کارکنوں کی رجسٹریشن کی جائے اور ان کو باضابطہ ورک پرمٹ دیئے جائیں، تا کہ وہ مناسب اجرتوں پر کام کر سکیں۔

8- تمام ورکرز کو سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ کر کے ان میں موجود تفاوت کا تدارک کیا جائے۔

9- جنسی ہراسان کے تدارک کے قانون پر سختی سے عملدر آمد۔

10- نجی شعبہ میں ٹیکس اور دیگر مراعات کے ذریعے خواتین کی ملازمتوں کا کوٹہ بڑھایا جائے۔

باب 4 : بچوں کی مشقت

بچوں کی مشقت کے حوالے سے آئی ایل او کے دو بنیادی کنونشنز موجود ہیں۔جس کی پاکستان نے بھی توثیق کی ہوئی ہے۔ پہلے کم از کم عمر کے کنونشن نمبر138(1973ء) کا مقصد بچوں کی مشقت کا مکمل خاتمہ ہے اور ہر رکن ملک اس کا پابند ہے کہ روزگار میں داخلے کے لئے کم از کم عمر کو بتدریج بڑھا کر اس سطح پر لے جانے کی قومی پالیسی اختیار کرے جو نوجوانوں کی بھرپور ذہنی اور جسمانی پرورش سے ہم آہنگ ہو۔یعنی نوجوانوں سے اس وقت تک مشقت نہ کروائی جائے جب تک وہ ذہنی اور جسمانی طور پر مکمل نشوونما نہ پا چکے ہوں،لیکن درج ذیل جگہوں پر کسی صورت میں بچوں کو کام پر نہ لگایا جائے جیسے کان کنی،مینوفیکچرنگ،تعمیرات،بجلی وگیس اور فیکٹریوں میں استعمال شدہ پانی کی صفائی ستھرائی اور خدمات،ٹرانسپورٹ،ذخیرہ کاری ومواصلات اور کھیت کھلیانی اور دیگر زرعی سرگرمیاں خصوصاً تجارتی مقاصد کے لئے پیداوار لیکن اس میں خاندانی اور چھوٹی اراضی شامل نہیں جس کی پیداوار خاندانی استعمال کے لئے ہو اور باقاعدگی سے ملازمت کا درجہ نہ رکھتی ہو۔ملکی قوانین وضوابط بعض صورتوں میں 13 سے 15 سال کی عمر کے افراد کو ہلکے پھلکے کام کی اجازت دے سکتے ہیں جس کے لئے لازمی ہے کہ اس کام کی صورت میں ان کی صحت یا پرورش کے عمل کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو اور کام ایسا نہ ہو جو ان کی سکول سے غیر حاضری کا سبب بنے۔آئی ایل او کا دوسرا کنونشن بچوں کی مشقت کی بدترین شکلوں کا کنونشن نمبر 182(1998ء) ہے۔اس کنونشن کے مقاصد کے لئے بچوں کی مشقت کی بدترین شکلوں کی اصطلاح میں مندرجہ ذیل شامل ہیں۔

- غلامی یا غلامی سے مشابہ تمام رسم ورواج جیسے بچوں کی فروخت اور سمگلنگ قرض کی بنا پر بندش اور مزدور بچوں کو قید کرنا اور جبری مزدوری یا بیگار بشمول مسلح تنازعات میں استعمال کے لئے بچوں کی جبری یا لازمی بھرتی۔
- فحش تصویریں یا فلمیں بنانے یا فحاشی پر مبنی نمائش وجسم فروشی کے لئے بچوں کا استعمال انہیں خریدنا یا پیش کرنا۔
- ناجائز سرگرمیوں کے لئے بچوں کا استعمال انہیں خریدنا یا پیش کرنا خصوصاً منشیات کی پیداوار اور سمگلنگ کے لئے جن کی تعریف متعلقہ بین الاقوامی معاہدوں میں کی گئی ہے۔
- ایسے تمام کام جو اپنی نوعیت یا جن حالات میں انجام دیئے جاتے ہوں وہ بچوں کی صحت،تحفظ یا اخلاق کو نقصان پہنچا سکتے ہوں۔

ہر رکن ملک آجروں اور کارکنوں کی تنظیموں سے مشاورت کے بعد اس کنونشن کے نفاذ کی نگرانی کے لئے مناسب طریقہ ہائے کار وضع یا متعین کرنے کا پابند ہو گا۔آئین کے آرٹیکل نمبر (3)11،14 سال سے کم عمر کے بچوں کو کسی بھی فیکٹری یا کان یا کسی ایسی جگہ جو جسمانی و ذہنی طور پر مضر صحت ہو۔کام کرنے سے منع کرتا ہے۔اس کے علاوہ پاکستان نے یو این کے بچوں کے حقوق کے کنونشن پر بھی دستخط کر رکھے ہیں۔جس سے پاکستان پر لازم ہے کہ وہ بچوں کی مشقت کا خاتمہ کرے۔

پاکستان میں بچوں کی مشقت کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے اس بارے میں اگرچہ حتمی اور قابل اعتماد اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں،لیکن تمام عوام،مزدور تنظیمیں اور سرکاری ادارے اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ فیکٹریوں، بھٹہ خشت، ٹیکسٹائل اور گارمنٹس،ہوٹلوں،ورکشاپوں،کارپٹ انڈسٹری زرعی سیکٹر حتیٰ کہ کان کنی اور پتھر کی کان میں بھی چائیلڈ لیبر موجود ہے۔اگرچہ ملکی آئین کے مطابق ریاست پابند ہے کہ 16 سال کی عمر تک تمام بچوں کو لازمی مفت تعلیم دلائے۔لیکن ہر دور حکومت میں بچوں کے لئے لازمی تعلیم کا مسئلہ حل طلب ہی رہا ہے اور آج بھی ایک کروڑ سے زائد بچے سکولوں سے باہر ہیں۔ پاکستان میں تعلیم کا بجٹ شرمناک حد تک کم ہے اور جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ ان پڑھ لوگ ہمارے ملک میں ہیں۔چائلڈ لیبر کا مسئلہ ہمارے ملک کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے جس کے مکمل خاتمہ کے لئے حکومتوں اور تمام اداروں کی سنجیدہ کوششیں درکار ہیں۔عوام کے گرتے ہوئے معیار زندگی اور بیروزگاری کی وجہ سے 60 فیصد سے زائد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے غرق ہو چکی ہے اور اسی غربت کی وجہ سے بچوں کو محنت مشقت کے دائرہ کار میں آنا پڑ رہا ہے۔

4.1: کاغذ چننے والے بچے

پھولوں کی طرح نرم و نازک و معصوم خوبصورت بچے جب گندگی کے ڈھیروں، سڑکوں، گلیوں، بازاروں، دکانوں کے آگے سے اور ہر اس جگہ سے جہاں سے انہیں ردی کاغذ، گتہ وغیرہ کا کوئی ٹکڑا ملنے کی امید ہے، کاغذت اور گتہ اکٹھے کر رہے ہوتے ہیں تو یہ منظر کسی بھی حساس دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اپنے معصوم ہاتھوں سے جب وہ گندگی کے ڈھیر سے کاغذ اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لیتے اور بعد میں اس تھیلے کو اپنے کاندھے پر رکھ کر دوسرے ڈھیر کی تلاش میں چل پڑتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ان بچوں کا حسین و خوبصورت حال و مستقبل بھی ان ہی گندگی کے ڈھیروں میں شامل ہو کر گندگی ہی کا ایک ڈھیر بن چکا ہے۔ یہ بچے جن میں سے زیادہ تر کا تعلق پختونخواہ کے خوبصورت و سرسبز و شاداب علاقوں سے ہے، تلاش رزق میں اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان بھر میں بکھرے ہوئے ہیں، افغان خانہ جنگی، دہشت گردی اور پختونخواہ میں روزگار کے مواقعوں کی کمی نے ان بچوں سے ان کے سہانے خواب چھین کر، ان کے ہاتھوں میں بستہ، کتابیں اور قلم دینے کی بجائے، وہ میلا کچیلا، بدبودار پلاسٹک یا کپڑے کا تھیلا تھما دیا ہے جسے اپنے کاندھے پر اٹھائے یہ ننھے فرشتے، سارا سارا دن، سردی، گرمی، دھوپ، بارش، غرض کہ ہر موسم میں، زیادہ تر ننگے پاؤں، میلے اور بدبودار کپڑوں میں کاغذ اور گتے کے ٹکڑے اکٹھا کر کے اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

یہ گروہ کی شکل میں کسی ایسی جگہ پر رہتے ہیں جہاں ان کی ردی، کاغذ، گتہ وغیرہ کو سٹور کرنے کا بھی انتظام ہو۔ ایک کچے، کوٹھری نما کمرے میں ایک ایک خاندان رہتا ہے جہاں انہیں زندگی کی کوئی مناسب سہولت میسر نہیں ہوتی۔ کھلے آسمان تلے بنائے گئے باورچی خانوں میں اپنے پرانے اور بوسیدہ برتنوں میں کھانا بنانا، اسی طرح کے کھلے غسل خانوں کا استعمال اور حفظان صحت کے تمام تر اصولوں و سہولیات سے ناآشنا و محروم یہ بچے اور ان کے والدین بس زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ بچے جو ردی کاغذ اور گتہ اکٹھا کرتے ہیں اسے کسی ایسے ٹھیکیدار کے پاس فروخت کرتے ہیں جو اس میٹریل کی سپلائی کاغذ اور گتہ بنانے والی فیکٹریوں کو کرتے ہیں۔ بچوں کی مشقت جو انہیں زندگی کی تمام تر رنگینیوں اور انہیں ان کے بچپن سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے نہ صرف چائیلڈ لیبر ہے بلکہ جبری مشقت بھی ہے کہ ان بچوں کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ کرنے کا کوئی چانس ہی نہیں ہے انہیں بس یہ کام کرنا ہے تا کہ زندہ رہ سکیں اور گھر والوں کی کفالت کر سکیں۔

چائلڈ لیبر کے متعلق جامع اور حالیہ اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں اور چائلڈ لیبر کے سروے کا منصوبہ 2012ء سے سرد خانے میں پڑا ہے۔ بہرحال مستند قومی و بین الاقوامی اداروں کے مطابق پاکستان میں چائلڈ لیبر کی تعداد ایک کروڑ 20 سے زیادہ ہے۔ جبکہ 17-15 سال کے نوجوان بالغوں کی آبادی کا 13.5 فیصد (13 لاکھ) مشقت کی بدترین شکلوں اور پرخطر حالات میں کام کرتے ہیں۔ قومی اداروں کے اعداد و شمار کس حد تک قابل اعتبار ہیں اس کی ایک جھلک جدول 4.1 میں ظاہر ہے کہ 2014ء میں 10 سال سے 14 سال کے عمر کے بچوں کی تعداد 2013ء کے مقابلے میں اچانک تقریباً ساڑھے 3 لاکھ کم ہو گئی۔ اسی تناسب سے چائلڈ لیبر کی تعداد بھی خود بہ خود گھٹ گئی ہے۔ بہرحال ہم 13-2012ء کے اعداد و شمار پر ہی تکیہ کرتے ہیں۔

13-2012ء کے مطابق چائیلڈ لیبر کی تعداد 2.7 ملین تھی جو کہ کل 10 سے 14 سال کی عمر کے بچوں کا 11 فیصد ہے۔ 87 فیصد ورکرز بچوں کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے جبکہ 13 فیصد کا تعلق شہری علاقوں سے ہے ان میں سے 56 فیصد لڑکے اور 44 فیصد لڑکیاں ہیں۔ لاکھوں دیگر بچے جن کی عمریں 10 سال سے کم اور 15 سال سے کچھ زائد ہیں۔ چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔

جدول 4.1: کمسن کارکن بچوں کی شرح

	2003-04	2008-09	2012-13	2013-14ء
آبادی (000)	148,159	169,996	184,349	188,020
10 تا 14 سال عمر کی آبادی کی شرح فیصد	12·82	13·28	12.79	10.54
10 تا 14 سال کے بچوں کی تعداد (000)	18,993	22,575	23,578	19,820
10 سے 14 سال کے محنت کش بچوں کی شرح شرح فیصد	12·80	13.08	11.40	10.60
کمسن کارکنوں کی تعداد (000)	2,431	2,953	2,688	2,101

لیبر فورس، اکنامک سروے

چائلڈ لیبر کی وجوہات:

اب ہم ان وجوہات کا سرسری ذکر کرتے ہیں جو کہ چائیلڈ لیبر کے فروغ کا باعث بنتی ہیں۔

باروزگار ورکرز کے لئے معقول اجرت کی کمی:

اگر کسی کنبے کے سربراہ کی تنخواہ معقول (Living Wage) نہ ہو اور یہ خاندان کی بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، لباس، کرایہ مکان، علاج معالجے کے اخراجات،

سفری اخراجات اور ہنگامی صورت حال اور خوشی غمی میں کئے جانے والے اخراجات کے لئے ناکافی رہتی ہو تو لامحالہ گھر کے سربراہ کا ہاتھ بٹانے کے لئے ایسے افراد یعنی بچوں کی بھی روزگار کے میدان میں آنا پڑتا ہے۔ جن کو ابھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونا اور اپنے بچپن سے لطف اندوز ہونے کا مکمل حق ہے۔ ایسے بچے تعلیم کا سلسلہ ادھورا چھوڑ کر یا اگر سکول نہ بھی جاتے ہوں تو چھوٹی موٹی محنت مزدوری کے لئے نکل پڑتے ہیں یوں یہ عمل چائیلڈ لیبر کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ اعداد و شمار و شواہد اس بات کے گواہ ہیں کہ ملک کے دوتہائی سے زیادہ کارکن اور گھرانے افلاسی اجرت (Poverty Wages) میں تنگدستی سے گزارتے ہیں۔ یہ افلاسی اجرتیں کم سے کم اجرت (Minimum Wage) سے بھی کم ہوتی ہیں۔ جبکہ کم از کم قانونی اجرت بذات خود ایک معقول تنخواہ (Living Wage) سے نمایاں طور پر کم ہوتی ہیں۔ ہماری نظر میں اجرتوں کا کمزور اور فرسودہ نظام کمسن بچوں کی محنت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

ناقص تعلیمی نظام اور سکولوں کالجوں کی تعداد میں کمی:

ہمارے ملک میں تعلیمی بجٹ کے لئے بہت کم رقم مختص کی جاتی ہے اور سیاسی پارٹیوں کے بار ہا وعدوں کے باوجود تعلیمی بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا اور آج بھی پورے ساؤتھ ایشیا میں ہمارا تعلیمی بجٹ شرمناک حد تک کم ہے اور ہر بچہ، بچی کے سکول جانے کا نعرہ ابھی تشنہ تکمیل ہے اعداد و شمار اس امر کے گواہ ہیں کہ ہم نئی نسل کی تعلیم کے لئے کس قدر سنجیدہ ہیں اور اگر یہ بچے سکولوں میں نہیں ہیں تو لامحالہ یہ یا تو گلیوں میں آوارہ پھرتے ہیں اور یا پھر چائیلڈ لیبر کا حصہ بن جاتے ہیں۔

4.2: سرکاری سکولوں کی حالتِ زار اور پرائیویٹ سکولز

ہماری حکومت دن بدن ان تمام ذمہ داریوں سے رفتہ رفتہ پیچھے ہٹ رہی ہے اور جواز یہ دیا جاتا ہے کہ حکومت صرف امن وامان کے لئے ہے۔ حکومت کا کام کاروبار کرنا نہیں اسی بہانے پبلک سیکٹر کو اونے پونے داموں بیچا جا رہا ہے اسی طرح تعلیم اور صحت کو بھی شعوری طور پر پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کیا جا رہا ہے، حالانکہ یہ سب ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام بچوں کی مفت اور لازمی تعلیم کا بندوبست کرے اسی طرح ہر شہری کی طبی سہولیات کا خیال رکھے اور لوگوں کو جائز ذرائع سے روزگار کے مواقع مہیا کرے، لیکن جوں جوں ریاست ان ذمہ داریوں سے جان چھڑا رہی ہے۔ سرکاری سکولوں اور اداروں کی حالت زار نا گفتہ بہ ہو رہی ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ آج بھی 51 فیصد سکولوں میں بجلی کی سہولتیں نہیں ہیں، 36 فیصد سکولوں میں پانی بھی نہیں، 42 فیصد سکولوں میں ٹائلٹ نہیں جبکہ 68 فیصد بچے کبھی سکول نہیں گئے، 35 فیصد سکولوں کی چاردیواری نہیں اور 46 فیصد بچے پرائمری تک نہیں گئے۔

پھر اکثر ان سکولوں پر قبضہ مافیا اور وڈیروں نے قبضہ کر رکھا ہے اور کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ جو ان کو ان وڈیروں کے چنگل سے آزاد کروائے جبکہ گھوسٹ سکولوں اور گھوسٹ ٹیچرز کا مسئلہ ایک اور دردِ سر ہے۔ ایسے حالات میں جب حکومت تعلیم کے بارے میں اتنی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرے گی تو ان پڑھ بچوں اور نوجوانوں کی ہر سال نئی کیپ تیار ہو کر محنت کی منڈی میں آئیگی۔
ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام حکومتی اراکین، ایم این ایز اور ایم پی ایز اور تمام بیوروکریٹس کے بچے سرکاری سکولوں میں پڑھیں تو صرف چند سالوں میں ان کا معیار تعلیم اور دیگر سب کچھ بدل جائے گا۔
لیکن اگر موجودہ صورتحال جوں کی توں رہی تو عام غریب بچوں کا مستقبل ماضی کی طرح تاریک ہی رہے گا اسی لئے تعلیم کے بارے میں سنجیدہ رویہ اپنانا اور اور یقینی ترجیح ہونا چاہئے اور جس قدر زیادہ تعداد میں بچے سکولوں میں ہوں اسی قدر چائیلڈ لیبر میں کمی آئے گی۔

دوسری طرف پرائیویٹ سکولوں کا حال یہ ہے کہ اب تو اچھے خاصے کھاتے پیتے مڈل کلاس کے لوگ بھی مہنگی تعلیم اور بھاری فیسوں کے سامنے بلبلا اٹھے ہیں، کیونکہ پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیم کا مقصد زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چند سکولوں سے شروع ہونے والے لوگ آج تعلیمی اداروں کے نیٹ ورک کے مالک بن گئے ہیں ایسے اداروں میں عام آدمی اور غریب لوگ بچوں کو پڑھانے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور نہ ہی ایسے اداروں کے ذریعے شرح خواندگی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

بیروزگاری کا سنگین مسئلہ

ملک میں بیروزگاری کا مسئلہ دن بدن سنگین صورتحال اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ہر سال تقریباً 20 لاکھ نوجوان محنت کی منڈی میں داخل ہوتے ہیں اور جب ان کو باعزت روزگار کے مواقع نہیں ملتے تو وہ شدید مایوسی اور بددلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی وہ صلاحیتیں اور توانائیاں جو پیداواری عمل میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ وہ منفی سرگرمیوں میں ضائع ہو جاتی ہیں اور جب بالغ افراد کو روزگار کے مواقع نہیں ملتے تو چھوٹی عمر کے بچوں کو بھی مجبوراً قلیل اجرت اور ناموافق حالات میں محنت کی منڈی کا حصہ بننا پڑتا ہے۔

پڑھے لکھے لوگوں کی بیروزگاری :

جب اخبارات میں معمولی معمولی ملازمتوں کی خبریں شائع ہوتی ہیں تو چند ملازمتوں کیلئے ہزار ہا پڑھے لکھے نوجوان درخواستیں دیتے ہیں اور کم درجہ کی آسامیوں کیلئے گریجوایٹ اور ایم اے پاس نوجوان ہزاروں کی تعداد میں سامنے آتے ہیں تو لامحالہ اس سوچ کو تقویت ملتی ہے کہ ایسی پڑھائی کا کیا فائدہ جب رات دن کی محنت اور پڑھائی اور سکولوں اور اکیڈمیز کے اخراجات برداشت کرنے کے بعد بھی ملازمت کا حصول آسان نہیں ہے تو والدین سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ چھوٹی عمر میں ہی بچوں کو کسی ہنر مند کام پر لگا دیا جائے اور یوں وہ ورکشاپوں اور اس طرح کی جگہوں پر بچوں کو بطور شاگرد محنت مزدوری پر بھیج دیتے ہیں۔

قلیل پنشنز :

جب مزدور ملازمت سے ریٹائر ہو جاتے ہیں اور ان کے بچے ابھی چھوٹی عمر کے ہوں تو پھر سربراہ کنبہ کی پنشن انتہائی قلیل ہونے کی وجہ سے چھوٹے بچے بچیوں کو مجبوراً محنت کی منڈی کا رخ کرنا پڑتا ہے اور اپنے بچپن کو قربان کر کے کنبے کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالنا پڑتی ہے۔

سوشل سکیورٹی یا سوشل سیفٹی نیٹ کی عدم موجودگی :

جب کسی گھر کا سربراہ فوت ہو جائے اور بیوہ کو اپنا خاندان پالنا پڑے تو مجبوراً اس کی کم عمر اولاد کو بھی محنت مزدوری کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا ہے اور یوں نہایت قلیل معاوضہ اور بدترین حالات کار میں بچوں کو محنت مزدوری کا ایندھن بننا پڑتا ہے۔ ہمارا سماجی نظام ایسے کنبوں کی کفالت سے اکثر لاتعلق ہی رہتا ہے یوں ایسے لوگوں کو حالات کے رحم وکرم پر جینا پڑتا ہے اور اگر کسی وجہ سے گھر کا سربراہ یا والدین کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو جائیں اور محنت مزدوری کے قابل نہ رہیں تو ایسی حالت میں بھی کنبے کی کفالت کی ذمہ داری بچوں کے ناتواں کندھوں پر آجاتی ہے اور ان کو ناموافق حالات میں اپنی بقا کے لئے معاشی سرگرمیاں جاری کرنا پڑتی ہیں۔ ملک میں ایک ایسے سوشل سکیورٹی کا یا سوشل سیفٹی نیٹ کے نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے بھی غربت کے شکار یا ناگہانی آفات وحادثات کے شکار، بزرگ شہریوں اور بیوگان وغیرہ کے لئے مناسب بندوبست نہیں ہے۔ جس سے وہ کم از کم اپنی خوراک، تعلیم، صحت اور دیگر مسائل سے نبٹ سکیں جس سے یہ تمام مسائل چائیلڈ لیبر کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔

استحصالی قرضوں کا شکار غریب خاندان :

جب کنبے کا سربراہ مجبوراً مقروض یا بانڈڈ لیبر کا شکار ہو جائے تو اس کے سارے کنبے کو اس قرض کے اتارنے کے لئے محنت مزدوری کرنا پڑتی ہے اور یوں چائیلڈ لیبر کا ایندھن بننا پڑتا ہے اور پھر محنت کی منڈی کے اپنے حالات ان مجبور بچوں کو بدترین حالات میں دھکیل دیتے ہیں۔

قدرتی آفات :

ملک میں قدرتی آفات زلزلوں اور سیلابوں نے آبادی کے بڑے حصے کو تباہی سے دوچار کیا ہے۔ جس سے غربت اور بیروزگاری مزید بڑھی ہے جس نے بچوں کو محنت مزدوری کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور پھر ان آفات کے لئے ملنے والی اندرونی اور بیرونی امداد کرپشن کی نظر ہو جاتی ہے اور بہت سے کنبے غربت کا شکار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو بھی محنت کش بننا پڑتا ہے۔

چائیلڈ لیبر کے خاتمہ کے لئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

تجاویز

1- باروزگار افراد کے لئے معقول معاوضہ (Living Wage) تمام باروزگار افراد اور مزدوروں کو اتنا معاوضہ ضرور ملنا چاہئے کہ وہ تمام گھریلو اخراجات کے لئے کافی ہو۔

2- تمام بچوں بچیوں کے لئے مفت اور لازمی پرائمری اور میٹرک تک کی تعلیم: ریاست تمام شہریوں کو مفت تعلیم اور علاج معالجہ کی ذمہ داری پوری کرے۔ کس قدر قابل تشویش بات ہے کہ ہماری خواندگی کی شرح بڑھنے کے بجائے تنزلی کا شکار ہے اور 2012-13ء میں جو شرح خواندگی 60 فیصد تھی اب کم ہو کر 58 فیصد رہ گئی ہے۔

3- ہنرمند تعلیم پر زور:۔ ووکیشنل اور ٹیکنیکل ٹریننگ پر زور اور ایسے شعبوں کی ٹریننگ جن کی مارکیٹ میں بہت ڈیمانڈ ہے، تاکہ ہنرمند انسانی وسائل کو ملکی اور غیر ملکی محنت کی منڈی میں باوقار روزگار کا موقع مل سکے۔ 4- بیوگان اور مجبور گھرانوں کی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہو اور ریاست ایسے شہریوں کی لازماً مدد کرے۔

4- تعلیمی بجٹ اور تعلیمی ایمرجنسی :۔ ملک میں ہنگامی بنیادوں پر شرح خواندگی میں اضافہ کے لئے تعلیمی ایمرجنسی کا نفاذ کیا جائے اور بچوں بچیوں اور تعلیم

بالغاں کا ہنگامی پروگرام بنایا جائے اور شرح خواندگی میں معقول حد تک اضافہ کیا جائے اور تعلیمی بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ کے ساتھ ساتھ اس بجٹ کا صحیح استعمال بھی یقینی بنایا جائے۔ گھوسٹ سکولوں کا اور گھوسٹ ٹیچرز کا خاتمہ کیا جائے جن سکولوں پر جاگیرداروں، وڈیروں اور قبضہ مافیا نے قبضہ کر رکھا ہے ان سے یہ ادارے واگزار کروا کر ایسے عناصر کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

5- تعلیمی نصاب یکساں مقرر کیا جائے اور تمام بچوں کو ایک ہی نظام کے تحت تعلیم دی جائے: اس وقت ملک میں ایک سے زیادہ متوازی نظام تعلیم رائج ہیں جیسے اردو میڈیم، انگلش، میڈیم اور مدارس کی تعلیم۔ ان تینوں نظاموں میں بچوں کی بالکل مختلف تربیت اور نفسیات پروان چڑھ رہی ہیں جوان بچوں کو کم عمری میں ہی مختلف خانوں میں تقسیم کر رہی ہیں ان میں احساس برتری اور احساس کمتری جیسے احساس پیدا ہو رہے ہیں، جبکہ مدارس میں زیر تعلیم بچوں میں فرقہ وارانہ تعصّبات پروان چڑھائے جاتے ہیں جو ان بچوں کو انتہا پسندی اور عدم برداشت کی طرف لے جاتے ہیں۔قوم کے تمام بچوں کا حق ہے کہ وہ ایک ہی مناسب اور معقول نظام تعلیم کا حصہ بنیں اوران کو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے یکساں مواقع میسر آسکیں۔ وقت آ گیا ہے کہ حکمران اشرافیہ یکساں نصاب تعلیم اور یکساں معیار تعلیم کے تحت تمام بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کرے۔

6- گلیوں میں آوارہ بچوں اور گداگری کی حوصلہ شکنی کر کے بچوں کے لئے معقول تحفظ (Protection) اور تعلیم و تربیت کا معقول بندوبست کیا جائے۔ پاکستانی ریاست دن بدن اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے پیچھے ہٹ رہی ہے یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم صحت سماجی تحفظ اور دیگر بنیادی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنائے حکومت کی تعلیم اور صحت کے میدان سے پسپائی کی وجہ سے پرائیویٹ سیکٹر نے کمرشل ازم کی وجہ سے تعلیم اور صحت کو عوام کی دسترس سے دور کر دیا ہے۔ جس سے شرح خواندگی میں اضافہ کے بجائے الٹا کمی ہو رہی ہے۔ سیاسی پارٹیاں اپنے منشور میں تعلیم، صحت، چائیلڈ لیبر اور بانڈڈ لیبر کے بارے میں جو وعدے کرتی ہیں۔ اقتدار میں آ کر ان وعدوں کا پاس کرتے ہوئے مکمل سیاسی عزم کے ساتھ ان پر قابو پانے کے لئے تمام اقدامات اُٹھائیں۔

7- بیروزگاری کے خاتمہ کے لئے حکومتوں کو ایسے اقدامات کی اور منصوبوں کی ضرورت ہے جس سے عام آدمی کے حالات بہتر ہوں اور وہ بے بسی کی زندگی سے نکل کر خود کفالت کی جانب بڑھ سکیں۔ اس کے لئے موجود سماجی و معاشی ڈھانچے میں مناسب تبدیلی اور بڑھتی ہوئی غربت اور امارت میں خلیج کو کم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

8- چائلڈ لیبر کے تخمینہ کے لئے درکار جامع سروے جلد از جلد شروع کیا جائے اس راستے میں قانونی اور انتظامی رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔

9- جو گھرانے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔ انھیں فوری طور پر موجودہ قومی و صوبائی سوشل سفیٹی نیٹ (social safety net) کے ذریعے کفالت فراہم کرنے کا پروگرام میں شامل کیا جائے۔

پنجاب حکومت کا بھٹہ مزدوروں کے بچوں کی تعلیم اور چائیلڈ لیبر کے خاتمے کا قابل قدر منصوبہ:

حکومت پنجاب نے 5 ارب روپے سے زائد مالیت کا ایک منصوبہ شروع کیا ہے۔ جس کے ذریعے بھٹوں پر موجود بھٹہ مزدوروں کے بچوں کو لازمی طور پر تعلیم دلوانا اور سکولوں میں داخل کروانا ہے۔ اس شاندار منصوبے کی ابتداء کر دی گئی ہے۔ پنجاب کے محکمہ محنت کے ملازمین نے اس منصوبے کے لئے بہت محنت کی ہے اور پنجاب کے تمام بھٹوں کا سروے کر کے اہم معلومات اور اعداد و شمار جمع کئے ہیں۔ ابتدا میں یہ منصوبہ 10 اضلاع سے شروع کیا گیا ہے، لیکن پھر اس کا دائرہ کار سارے پنجاب تک وسیع ہو جائے گا۔ ہم حکومت پنجاب کے اس انتہائی مثبت قدم کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس احساس کی قدر کرتے ہیں جس کے تحت حکومت نے یہ عزم کیا ہے کہ بالآخر چائیلڈ لیبر کا خاتمہ حکومت کی ہی ذمہ داری ہے، اگر چہ اس منصوبہ کے تحت تمام شعبوں میں موجود چائیلڈ لیبر کا خاتمہ تو نہیں ہوگا لیکن اس منصوبے کے دوررس اثرات ضرور مرتب ہونگے، کیونکہ بھٹہ مزدور بے پناہ محنت مشقت اور مشکلات میں اپنا روزگار جاری رکھے ہوئے ہیں اور اگر ان کے بچے تعلیم یافتہ ہو جائیں تو وہ آئندہ ان خاندانوں کی تقدیر بدلنے میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

باب 5 : جبری مشقت

پاکستان میں 21 ویں صدی کے اس دوسرے عشرے میں آج بھی جبری مشقت کی کئی بھیانک شکلیں موجود ہیں۔ بڑی جاگیرداری کے علاقوں میں جہاں وڈیروں نے بھیانک شکنجے میں معاشرے کو جکڑ رکھا ہے وہاں ہاریوں اور کھیت مزدوروں کی شکل میں لاکھوں انسانوں کو بطور بانڈڈ لیبر استعمال کیا جاتا ہے اس کا سب سے بڑا نشانہ نچلی ذات کی ہندو برادری ہے۔ ان میں نہ صرف خاندانوں کے مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں حد تو یہ ہے کہ بعض وڈیروں نے مسلح جتھوں کے ساتھ ساتھ نجی جیلیں تک تعمیر کر رکھی ہیں تاکہ کوئی جبری مشقت سے بغاوت کرے تو اسے سزا دی جا سکے۔ یہ ایک طرح سے ریاست کے اندر ریاست کا قانون ہے اور تمام متعلقہ ادارے اور سرکاری مشینری کے لوگ سب کچھ جانتے ہوئے بھی دانستہ طور پر چشم پوشی کرتے ہیں جس کی بڑی وجہ ریاست پر جاگیرداروں کا غلبہ ہے اور دوسری طرف کمزور مزدور کسان تحریکیں ہیں جن کو آسانی سے دبا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایڈوانس یا پیشگی کے نام پر بھٹوں پر کام کرنے والے خاندانوں میں اکثریت جبری مشقت کا شکار ہے، کیونکہ غیر معمولی حالات اور ایمرجنسی میں جب بھٹہ مزدور ایک مرتبہ پیشگی یا قرض لے لیتے ہیں تو پھر جس قدر بھی سارا خاندان رات دن محنت مشقت کرتا رہے قرضہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا (کیونکہ قرضے کا تمام حساب کتاب بھی مالک یا اس کے کارندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے) اور یوں نسل در نسل آگے منتقل ہوتا رہتا ہے اور بھٹہ مالکان کی اپنی خواہش بھی ہوتی ہے کہ ان کے مزدور پیشگی لے کر مقروض رہیں تاکہ ان کو محنت کی دستیابی کا مکمل یقین اور اطمینان رہے۔ یہاں بھی مسیحی برادری خصوصاً اس ظلم کا شکار ہے۔

اسی طرح کارپٹ انڈسٹری اور قالین بافی میں بھی یہ وبا جاری ہے اور مائننگ اور پتھر کی کانوں میں بھی یہ عمل جاری وساری ہے اور اکثر حالات میں تعمیر اور گھریلو ملازمین ورکرز بھی جبری مشقت کا شکار ہوتے ہیں۔ اگرچہ پاکستان میں اعلیٰ عدالتوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بعض اہم اور بنیادی فیصلے صادر کئے ہیں اور ان فیصلوں سے جبری مشقت میں کمی اور مزدوروں کو اعتماد اور جبری مشقت سے نکلنے کا حوصلہ اور راستہ بھی دیا ہے، لیکن اصل مسئلہ ان مزدوروں کو جبری مشقت پر مجبور کرنے والوں کو بھاری جرمانے اور سزاؤں کا خوف دلانے کا ہے تاکہ وڈیرہ شاہی، بھٹہ مالکان اور مافیاز کے کارندے کسی کو بھی جبری مشقت کا شکار کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچیں۔

جبری مزدوری یا بیگار کے خاتمے کا کنونشن نمبر 29 اور جبری مشقت کے خاتمے کا کنونشن نمبر 105 ہیں۔ ان کنونشنز میں جبری مزدوری کی تمام شکلوں کو ختم کرنے کی بات کی گئی ہے اور ہمارے ملکی آئین میں بھی جبری مشقت کی مکمل نفی کی گئی ہے۔ اس کے باوجود یہ سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری ہے۔ اور آئی ایل او کے تخمینہ کے مطابق ملک میں جبری مشقت کا شکار مزدوروں کی تعداد 20 لاکھ سے زائد ہے۔

تجاویز

جبری مشقت کے خاتمہ کے لئے حسب ذیل اقدامات اور تجاویز اہم ہیں۔

1- کسی بھی قسم کی ملازمت یا کسی کنٹریکٹ کے تحت کام کرنے والے مزدوروں کو لازمی طور پر ملازمت پر تقرری کے لیٹرز دیئے جائیں اور کسی کنٹریکٹ کے تحت کی جانے والے محنت کے بارے میں تحریری کنٹریکٹ ہو جس کی تمام شرائط واضح ہوں اور دونوں فریق اس پر دستخط کریں۔

2- تمام بھٹوں اور دیگر ایسے اداروں کو لازمی طور پر رجسٹرڈ کیا جائے اور ان پر کام کرنے والے مزدوروں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے۔

3- ان تمام مزدوروں کو سوشل سیفٹی نیٹ میں لایا جائے اور ان کی سوشل سکیورٹی اور (EOBI) میں رجسٹریشن یقینی بنائی جائے۔ یہ اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ جبری مشقت کا شکار مزدور خاندان اپنی بنیادی ضروریات جیسے صحت، علاج معالجہ اور شادی یا سوگ کی صورت میں پیشگی قرضہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کے ذریعے وہ اپنی ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور قرض کی بندش کی نوبت نہیں آتی۔

4- لیبر انسپکشن سسٹم کو مضبوط کیا جائے اور لیبر انسپکٹرز کو قانون کی خلاف ورزی کرنے والے اور انسان دشمن وڈیروں، مالکان اور مافیاز سے

نپٹنے کے لئے مکمل تحفظ اور مناسب اختیارات دیئے جائیں اور اگر وہ صحیح رپورٹنگ یا اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کریں تو ان کا بھی محاسبہ کیا جائے۔

5- تمام بچے بچیوں کو لازمی تعلیم اور سکولوں میں لازمی داخلہ دلوایا جائے اور والدین کو پابند کیا جائے کہ وہ بچوں کو لازماً تعلیم دلوائیں اور سکولز کی تعداد اور نیٹ ورک بھی بڑھایا جائے اور مضبوط کیا جائے تاکہ کم از کم بچے تو جبری مشقت سے محفوظ رہ سکیں۔

6- پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے جبری مشقت اور چائیلڈ لیبر کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی جائے اور تحقیقاتی رپورٹس اور مزدوروں سے روا رکھے جانے والے سلوک کے پروگرام نشر کئے جائیں۔

7- سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے نصاب میں چائیلڈ لیبر اور جبری مشقت کے مضمرات کے بارے میں مضامین شامل کئے جائیں، تاکہ تمام طلباء اور بعد از اں بیوروکریسی کا حصہ بننے والے افسران ان مسائل سے آگاہ ہوں اور اس کے خاتمے کے لئے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

8- لیبر قوانین کا دائرہ زرعی سیکٹر اور دیگر ایسے شعبوں تک بڑھایا جائے جہاں جبری مشقت کا احتمال ہو۔ کسانوں اور کھیت مزدوروں کو بھی یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کا حق دیا جائے۔ جبری مشقت کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ جبری مشقت کے تمام شعبوں میں مزدوروں کی تنظیم سازی کی حوصلہ افزائی کی جائے، تاکہ مزدور منظّم ہو کر خود اس غیر انسانی اور غیر قانونی جاری پریکٹس کے خلاف مؤثر آواز بلند کر سکیں اور بڑی ملک گیر ٹریڈ یونین تنظیموں اور فیڈریشنز کا حصہ بن کر اپنے آپ کو بھی مضبوط کر سکیں اور فیڈریشنز کی بھی تقویت کا سبب بنیں اس طرح تمام منظّم مزدور مل کر اجتماعی طور پر اس غیر انسانی محنت مشقت کے خلاف جدوجہد کرنے کے قابل ہو سکیں اور شعبہ جاتی تنظیم میں منظّم ہونے کا بھی حق حاصل ہو، تاکہ مزدور شعبہ جاتی طور پر منظّم ہو کر اجتماعی سودے کاری کا حق استعمال کر سکیں۔

باب 6 : مزدور قانون سازی۔سست رفتاری اور عملدرآمد کا فقدان

اٹھارویں ترمیم سے قبل چونکہ محکمہ محنت مشترکہ لسٹ (Concurrent) پر تھا اس لئے مرکزی اور صوبائی حکومتیں مزدور قوانین سازی کی مجاز تھیں، لیکن عملی طور پر اس ترمیم سے قبل زیادہ تر قانون سازی مرکزی حکومت کی طرف سے کی گئی اور ان پر عملدرآمد کی ذمہ داری صوبوں پر بھی تھی اس عرصہ میں مرکزی حکومت کے تحت پارلیمینٹ نے 70 سے زائد لیبر قوانین پاس کئے مرکزی حکومت کے ماتحت وزارت محنت وسمندر پار پاکستانیز کو ایک مرکزی لیبر ایڈوائزر، ایک سینئر ریسرچ آفیسر اور دو ریسرچ آفیسر کی خدمات مہیا تھیں جو مزدوروں کے بارے میں نئے مسائل اور رجحانات پر صلاح مشورہ اور ضروری قانونی مسودہ تیار کرتے تھے اسی طرح لیبر گزٹ آف پاکستان میں مزدوروں بارے معلومات اور دیگر معاملات زیر بحث لائے جاتے تھے۔ 2010ء میں 18 ویں ترمیم کے بعد محکمہ محنت صوبوں کو منتقل کر دیا گیا ہے، لیکن ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ ز کا ادارہ آج بھی مرکزی حکومت کی تحویل میں ہیں۔ مجوزہ ترمیم کے بعد مزدوروں بارے قانون سازی صوبوں کی ذمہ داری ہے۔ البتہ اگر دو صوبائی اسمبلیاں قرارداد کے ذریعے مرکزی حکومت سے قانون سازی بارے اپنے اختیارات مرکز کے حوالے کر دیں تو مرکزی حکومت متعلقہ شعبہ کے بارے میں میں قانون سازی کر سکتی ہے اس کے علاوہ مرکزی حکومت اور صوبوں میں مختلف مسائل کے حل کے لئے مشترکہ مفادات کی کونسل کا ادارہ موجود ہے۔

مرکزی سطح پر 2012ء IRA کی شکل میں قانون موجود ہے جس کا دائرہ کار وفاقی دارالحکومت اور فاٹا وغیرہ ہیں البتہ ایسے ادارے، فیڈریشنز اور ٹریڈ یونینز جن کی شاخیں ایک سے زائد صوبوں میں ہوں ان پر بھی یہی قانون لاگو ہے اور اس کے تحت ایک مرکزی ادارہ نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز کمیشن کی شکل میں موجود ہے جو بین الصوبائی یونینز کی رجسٹریشن اور صنعتی تنازعات کو حل کرنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

18 ویں ترمیم کے بعد صوبوں میں مزدور قانون سازی کا عمل سست روی کا شکار ہے۔صوبہ پنجاب میں سب سے زیادہ 16 مزدور قانون مکمل کئے ہیں زیادہ تر قوانین سابقہ قوانین کی ہی نقل ہیں۔البتہ دو پہلو قابل ذکر ہیں ایک تو لیبر قوانین کی خلاف ورزی پر جرمانے بڑھائے گئے ہیں اور دوسرا اہم قانون 25 سے زائد جس ادارہ میں خواتین ملازم ہوں وہاں پر ڈے کیئر سنٹر کا قیام ضروری قرار دیا گیا ہے جس میں ان خواتین کے چھ سال تک عمر کے بچوں کی دیکھ بھال کی جائے گی۔ پنجاب میں ابھی تک کمرشل بنیادوں پر قائم تعلیمی اور میڈیکل انسٹیٹیوٹس کو لیبر انسپکشن کے دائرہ کار میں نہیں لایا گیا اور ابھی زرعی سیکٹر، ہوم بیسڈ ورکرز اور ڈومیسٹک ورکرز بھی لیبر قوانین کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

خیبر پختونخواہ مزدور قوانین سازی میں دوسرے نمبر پر ہے اب تک صوبے نے 8 قوانین بنائے ہیں۔جن میں زیادہ تر قوانین ماضی کے قوانین ہی کی نقل ہیں۔البتہ صوبے میں کنٹریکٹ لیبر کے لئے چیف انسپکٹر آف فیکٹریز سے NOC (No Objection Certificate) لینا پڑتا ہے جو زیادہ سے زیادہ 180 دن کے لئے ہوتا ہے۔زرعی سیکٹر ا یکسپورٹ پراسیسنگ زونز اور غیر رسمی شعبہ ابھی تک لیبر قوانین کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔البتہ کمرشل بنیادوں پر قائم تعلیمی اداروں اور میڈیکل اداروں پر کم از کم اجرت کا قانون لاگو کیا گیا ہے۔

صوبہ سندھ میں ابھی تک اہم قانون SIRA (سندھ انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ) لاگو کیا گیا ہے جس کی اہم بات اس کا دائرہ کار زرعی سیکٹر اور فشریز تک بڑھایا گیا ہے۔دیگر قانون تقریباً ماضی کی ہی نقل ہے۔

صوبہ بلوچستان میں صرف BIRA (بلوچستان انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ) بنایا گیا ہے جو کہ سابقہ قانون ہی کا تسلسل ہے۔لیکن حال ہی میں لیبر قوانین کا دائرہ کار زرعی سیکٹر اور فشریز تک بڑھا دیا گیا ہے۔

6.1: پاکستان میں 1973ء کے آئین کے تحت مزدوروں کے حقوق

آئین پاکستان جو کہ تمام سیاسی پارٹیوں کی طرف سے تیار کردہ ایک متفقہ اور بنیادی دستاویز ہے اور ہمارے سیاسی نظام کی عمارت اسی آئین کی بنیاد پر کھڑی ہے اور یہ یقیناً تمام سیاسی پارٹیوں کا اولین فریضہ اور ذمہ ہے کہ وہ اس آئین کی ہر شق پر اس کی روح کے مطابق عملدرآمد کو یقینی بنائیں۔ 1973ء کے آئین کے تحت حاصل مزدوروں کے حقوق کا ہم سرسری جائزہ پیش کر رہے ہیں تا کہ یہ واضح ہو سکے پاکستان کی ٹریڈ یونین تحریک جن مزدور مسائل کی وقتاً فوقتاً نشاندہی کرتی رہتی ہے اور مزدوروں کے جن حقوق پر زور دیتی ہے وہ کسی کا احسان نہیں بلکہ ملک کی بنیادی دستاویز یعنی آئین کا حصہ ہیں اور ان کے حل کی ضمانت اسی آئین میں موجود ہے۔جس کے تحت مختلف سیاسی پارٹیاں حکومت کرتی اور اقتدار سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور جب کبھی کسی غیر جمہوری قوت سے اقتدار کو خطرہ کا اندیشہ ہو تو اسی آئین

کی پاسداری کی دہائی دیتی ہیں۔ہم اس امر پر زور دینے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان کے مزدور اور محنت کش اس ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اوران ہی کی روز وشب کی محنت سے ملکی معیشت اور معاشرے کا پہیہ رواں دواں ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی آواز کو بھی سنا جائے اوران کے مسائل ومشکلات کا احساس کیا جائے۔

آئین کے آرٹیکل نمبر 3 کے تحت استحصال کی تمام شکلوں کے خاتمہ اور ہر شہری سے اس کی قابلیت کے مطابق کام اور کام کے مطابق معاوضہ ادا کرنے کی بات کی گئی ہے۔

آرٹیکل 4 کے تحت تمام شہریوں کو قانونی تحفظ اور کسی بھی غیر قانونی کاروائی سے مکمل تحفظ کا ذکر کیا گیا ہے۔

آرٹیکل 11 (2) کے تحت غلامی کو ممنوع اور ہر قسم کی جبری مشقت اور انسانی سمگلنگ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

آرٹیکل 11(3) کے تحت 14 سال سے کم عمر بچوں کو مائنیز (Mines) اور دیگر مضر صحت جگہوں پر ملازمت پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

آرٹیکل 17 کے تحت تنظیم سازی اور یونین سازی کی آزادی دی گئی ہے۔

آرٹیکل 18 کے تحت ہر شہری کو کوئی بھی قانونی طور پر جائز پیشہ اور کاروبار کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

آرٹیکل 19 کے تحت تحریر وتقریر کی آزادی اور پریس کی آزادی کا ذکر کیا گیا ہے۔

آرٹیکل 25 کے تحت تمام شہریوں کا قانون کی نظر میں برابر کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔

آرٹیکل 26 کے تحت کسی بھی شہری کے تمام پبلک مقامات پر جانے اور اس ضمن میں نسل، مذہب، قوم، جنس اور جغرافیائی رہائش کے حوالے سے ہر قسم کے امتیازات کو رد کیا گیا ہے۔

آرٹیکل 27 کے تحت حصول ملازمت میں ہر قسم کے امتیازی سلوک جن کی بنیاد، نسل، مذہب، قوم، جنس اور جغرافیائی حوالے سے ہو۔کو مکمل طور پر رد کیا گیا ہے۔

آرٹیکل (E) 37 کے تحت کام کی جگہ کو انسانی صحت کے لئے موزوں رکھنے اور صحت وسلامتی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔نیز بچوں اور عورتوں کو ایسی جگہوں پر کام کی ممانعت کی گئی ہے جو ان کی عمر اور صحت کے لئے ضرر صحت ہو اور حاملہ عورتوں کو ایسی جگہوں پر کام کی ممانعت کی گئی ہے جو ان کی صحت کے لئے مضر ہو۔

آرٹیکل 38(a) کے تحت بلا لحاظ جنس، قوم، نسل، مذہب تمام لوگوں کی فلاح وبہبود اوران کے معیار زندگی کو بلند کرنے اور دولت کی تقسیم اور ذرائع پیداوار کو چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے بچانے اور آجر اور اجیر ہے اور جاگیردار اور مزارعہ کے درمیان انصاف پر مبنی تعلقات پر زور دیا گیا۔

آرٹیکل 38(c) کے تحت تمام ملازمین کے لئے سوشل سیکیورٹی اور لازمی سوشل انشورنس کی بات کی گئی ہے۔

آرٹیکل 38(e) کے تحت شہریوں اور وہ ملازمین جو مختلف سروسز میں پاکستان میں ملازم ہیں ان کی آمدن میں فرق کو کم کرنے کی بات کی گئی ہے۔

پاکستان میں لیبر لاز پر عملدرآمد کی صورتحال

قیام پاکستان کے بعد حکومت پاکستان نے آج تک 5 لیبر پالیسیز کا اعلان کیا۔پہلی لیبر پالیسی 1955ء میں لاگو کی گئی۔اس کے بعد 1959, 1969, 1972ء اور 2002ء میں لیبر پالیسیز کے اعلانات ہوئے۔2002ء کے بعد کوئی نئی لیبر پالیسی جاری نہیں ہوئی، حکومت پاکستان نے آئی ایل او کے علاوہ ہر فورم پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ آئی ایل او کنونشنز اور ملک میں بنائے گئے لیبر قوانین کے تحت، محنت کشوں کو تمام تر قانونی سہولیات فراہم کر رہی ہے۔کیا صورت حال واقعی ایسی ہی ہے جیسا کہ حکومت پاکستان کہتی ہے یا معاملات اس کے برعکس ہیں۔ آیئے زندگی کے چند ایک شعبوں میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

فرنس ورکرز:

لوہے کی ڈھلائی کا کام پاکستان بھر میں ہوتا ہے، مگر لاہور کا علاقہ داروغہ والا اس کام میں اپنی ایک الگ ہی شناخت رکھتا ہے۔یہ علاقہ مشہور زمانہ جی ٹی روڈ جس کو ہندوستان کے بادشاہ شیر شاہ سوری نے 16ویں صدی میں بنوایا۔ (Grand Trunk Road) پر واقع ہے۔اس علاقہ سے متصل پاکستان ریلوے کی 5 ورکشاپس موجود ہیں۔جن میں ہزاروں کی تعداد میں ملازمین کام کرتے ہیں، پاکستان کی اولین انجینئرنگ یونیورسٹی بھی اسی علاقہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔یہ علاقہ قیام پاکستان سے قبل سے ہی لوہے اور لکڑی کا کام کرنے والے کاریگروں کی وجہ سے پورے ہندوستان میں اپنی الگ ہی شناخت رکھتا تھا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب برطانوی حکومت نے ہندوستان میں ریلوے ورکشاپس قائم کرنے کے لئے پورے ہندوستان کا سروے کیا تو انہیں

ان ورکشاپس میں کام کرنے والے لوہار اور ترکھان صرف اس ہی علاقہ میں مل سکے تھے۔ ان ہنرمند کاریگروں کو ملازمتیں دے کر حکومت ہندوستان نے 1908ء میں یہاں ریلوے کی پہلی ورکشاپ، ریلوے کیرج شاپس کے نام سے قائم کی تھی۔ ریلوے ورکشاپس کے قیام نے اس علاقہ کے کاریگروں کو جدید طریقہ پیداوار سے روشناس کروانے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ تقریباً 10 کلومیٹر کے علاقہ میں پھیلے ہوئے اس علاقہ میں ہزاروں کاریگروں نے لوہے کی ڈھلائی کی بھٹیاں بنائی ہوئی ہیں۔ یہاں بننے والے اوزار اور لوہے کی مختلف اشیا پورے پاکستان کے علاوہ افغانستان کو بھی سپلائی ہوتی ہیں۔ ڈھلائی کی ایک بھٹی پر 5 سے 10 افراد تک کام کرتے ہیں، جب تک ان علاقوں میں گیس کی سپلائی نہیں ہوئی تھی یہ بھٹیاں لکڑی اور کوئلے سے گرم ہوتی تھیں، گیس کی آمد کے بعد اب یہ بھٹیاں گیس پر منتقل ہو چکی ہیں، آج کے دور میں ایک بھٹی کو لگانے اور ورکشاپس قائم کرنے پر 10 تا 50 لاکھ روپے تک کا خرچہ ہوتا ہے۔ اپنا ایک شاندار اور تاریخی ماضی رکھنے کے باوجود یہ علاقہ ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ سڑکیں تنگ اور کچی ہیں، گلیاں بہت چھوٹی چھوٹی اور سیوریج کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے۔ بارش ہو جائے تو ان علاقوں میں آنا جانا بہت مشکل ہو جاتا ہے، ڈھلائی کے اس شعبہ کو ہم ''سمال سکیل انڈسٹری'' کہہ سکتے ہیں۔ اس انڈسٹری میں کام کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ یہاں چائیلڈ لیبر (Child Labour) عام ہے۔ کم سے کم تنخواہ کے قانون کا یہاں کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ ہی یہاں صحت وصفائی اور ہیلتھ اینڈ سیفٹی کے قوانین لاگو ہوتے ہیں۔ یہاں کوئی ٹریڈ یونین یا ایسوسی ایشن نہیں ہے۔ ملازمین کو معاوضہ زیادہ تر پیس ریٹ پر ملتا ہے۔ غیر ہنرمند ملازمین کو 6000 روپے ماہانہ سے 10000 روپے ماہانہ تک تنخواہ ملتی ہے۔ اس پورے علاقہ میں کوئی سرکاری ڈسپنسری یا ہسپتال نہیں ہے۔ سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی کی رجسٹریشن کا یہاں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ کسی کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ زخمی یا معذور ہو جانے والے ورکرز دوبارہ کام کرنے کے قابل رہے بھی ہیں یا نہیں، یہ ایک ایسی صنعت ہے جس میں زیادہ تر مالکان بھی خود اپنے ہاتھوں سے کام بھی کرتے ہیں، 10 سے 50 لاکھ روپے تک کی سرمایہ کاری کرنے والے مالکان کو سرکار یا بنکوں کی طرف سے کسی قسم کے قرضہ کی سہولت حاصل نہیں ہے۔ یہ شعبہ جو ہزاروں افراد کو روزگار فراہم کرتا ہے ایک نظرانداز شعبہ ہے۔ حکومت کی طرف سے کاریگروں کی فنی تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہاں نیم ہنرمند اور عام ورکرز اپنے پیشہ ور کاریگروں سے بحیثیت ایک شاگرد کے ہی کام سیکھتے ہیں۔ پچھلے 10 سال سے یہ صنعت بجلی اور گیس کے بحران کا شکار ہے۔ انرجی بحران نے اس صنعت کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔ اس وقت اس علاقہ کے زیادہ تر یونٹ بند ہیں، بیروزگاری عام ہے، اس علاقہ میں بننے والے اوزار وغیرہ دوسرے ممالک سے امپورٹ ہونا شروع ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے یہاں سرمایہ کاری کرنے والوں کا کروڑوں روپے کا سرمایہ بھی منجمد ہو گیا ہے۔

پہاڑی محنت کش:

پاکستان کے تقریبات تمام ہی پہاڑی علاقوں میں محنت کش پہاڑی پتھروں سے مختلف اشیاء بنانے کا کام کرتے ہیں، بلوچستان کے پہاڑوں پر وہاں کے محنت کش بڑے بڑے پتھروں کو کاٹ کر آٹا پیسنے کی چکی کے پاٹ بناتے ہیں۔ اس طرح خیبر پختونخواہ میں لائم سٹون کو بھٹی میں پکا کر چونے میں تبدیل کرنے کا کام ہوتا ہے۔ ٹیکسلا کا علاقہ جو راولپنڈی سے پشاور جانے والی شاہراہ پر راولپنڈی سے تقریباً 40 کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔ اپنا ایک شاندار ماضی رکھتا ہے۔ گندھارا آرٹ کا مرکز، بدھ تہذیب اور بدھ حکمرانوں کی سب سے بڑی سلطنت کا دارالحکومت، علم وادب کا گہوارہ، سنگ تراشی میں اپنی ایک الگ اور شاندار پہچان کا حامل یہ علاقہ، جس کے تراشے ہوئی فن پاروں کو دنیا بھر میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ پاک چائنہ اکنامک کاریڈور کا اہم پڑاؤ، ٹیکسلا کے سنگ تراش جو نسل در نسل ہزاروں سال سے سنگ تراش کرتے آرہے ہیں اور اپنے فن سے بے جان پتھروں سے ایسے ایسے شاہکار تخلیق کرتے ہیں کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ سرسبز وشاداب پہاڑوں کے دامن میں واقع یہ بستی، ان کاریگروں سے بھی بھری پڑی ہے جو ٹیکسلا کے پہاڑوں سے لائے ہوئے پتھر کے ٹکڑوں سے گھروں کے باورچی خانوں میں استعمال ہونے والی ''کونڈیاں'' جنہیں ٹیکسلا کی زبان میں ''دوریاں'' کہتے ہیں بناتے ہیں۔ یہ کاریگر 5 سے 10 افراد کے ایک گروہ کی شکل میں کام کرتے ہیں۔ ان 5 سے 10 افراد میں چھوٹی عمر کے بچوں سے لے کر بڑی عمر کے بزرگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان کاریگروں کو جن کا کل اثاثہ ان کا ہنر اور چند اوزار ہیں، انہیں ''دوریاں'' بنانے کے لئے پتھر وہ ٹھیکیدار سپلائی کرتا ہے جو ان سے یہ ''دوریاں'' بنواتا ہے۔ ایک ''دوری'' یا ''کونڈی'' کی مزدوری 50 روپے ہے۔ ایک گروہ ایک دن میں مجموعی طور پر 50 تک دوریاں بنا لیتا ہے اگر ان 50 کو 10 پر تقسیم کیا جائے تو 50 روپے فی ''دوری'' کے حساب سے ان کاریگروں کی مجموعی مزدوری 250 روپے روزانہ بنتی ہے۔ یہ کاریگر زیادہ تر پہاڑوں پر ہی جا کر اپنا کام سرانجام دیتے ہیں، ستم یہ ہے کہ ٹھیکیدار نہ تو انہیں کوئی سائبان بنا کر دیتا ہے

کہ یہ کاریگر دھوپ، بارش، سردی، گرمی سے محفوظ رہ سکیں اور نہ ہی انہیں پانی کی سپلائی کرتا ہے۔ یہ کاریگر صبح کام پر جاتے وقت پانی کا ایک مٹی کا گڑھا اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں، کیونکہ یہ سارا کام لوہے کے اوزاروں سے ہاتھوں سے سرانجام دیتے ہیں، بعض اوقات پتھر کی تراش خراش کے وقت پتھر کے ٹکڑے اُڑ کر ان کے چہرے، آنکھوں اور ہاتھوں کو زخمی کر دیتے ہیں، ٹھیکیدار یا ''مالک'' انہیں سیفٹی کا کوئی سامان مہیا کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اگر آپ ان کاریگروں کے ہاتھوں، پاؤں اور چہرے کا جائزہ لیں تو آپ کو زیادہ تر سنگ تراشوں کی ہاتھ کی اُنگلیاں چوٹیں لگنے کی وجہ سے ٹیڑھی ہی ملیں گی، پاؤں اور ٹانگوں پر زخموں کے جا بجا نشانات ملیں گے، چہرے پر زخموں کے نشانات نے بہت سے چہروں کو داغ دار کیا ہوتا ہے۔ بعض ایسے کاریگر بھی ملیں گے جو اپنی آنکھ تک ضائع کر چکے ہیں۔ دھوپ، گرمی کی شدت برداشت کرتے کرتے ان کے چہرے اور ہاتھوں کی جلد اپنا قدرتی حسن کھو چکی ہے۔ نسل در نسل اپنے سنگ تراشی کے فن کی آبیاری کرنے والے یہ کاریگر اپنے بچپن سے اپنے بڑھاپے تک، اس وقت تک جب تک ان کے ہاتھ، پاؤں، جسم اور آنکھیں ان کا ساتھ دیتی ہو۔ اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لئے خود کو محنت کی منڈی کا ایندھن بنانے پر مجبور ہیں، ٹھیکیدار کا کام ان ہی کاریگروں کی شبانہ روز محنت سے ہی چلتا ہے۔ یہ کاریگر اس کام کو چھوڑ کر چلے نہ جائیں تو وہ انہیں ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ''ایڈوانس'' کی شکل میں رقم دے کر انہیں اپنا پابند کر لیتا ہے، اگر دیکھا جائے تو یہ پابند محنت (Bonded Labour) کی ہی ایک شکل ہے۔ اس علاقہ کے یہ غریب ترین کاریگر سب کی نگاہوں سے اوجھل، کھلے آسمان تلے کام کرتے ہیں۔ سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی، ان الفاظ کے مفہوم و معنی ہی سے یہ لوگ نا آشنا ہیں۔ ان کی زیادہ تر تعداد ان پڑھ ہے۔ 21 ویں صدی میں پاکستان کے دارالحکومت کے قریب ترین، ملک کی مرکزی شاہراہ پر واقع، اشوکِ اعظم اور بدھ مذہب کو ماننے والوں کی عظیم ترین تعلیمی درسگاہ کے کھنڈرات کے یہ رکھوالے سنگ تراش آج بھی غلامانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

کنسٹرکشن کے دیہاڑی دار مزدور

کنسٹریکشن کا شعبہ جس سے پاکستان کے لاکھوں لوگوں کا روزگار جڑا ہوا ہے۔ اس شعبہ میں جو مزدور، تعمیراتی کمپنیوں کے ساتھ کام کرتے ہیں، ان کے حالات کار اور اوقات کار ان مزدوروں سے بہت مختلف ہیں جو ہر صبح اس امید پر گھر سے نکلتے ہیں کہ آج ہمیں مزدوری ضرور ملے گی، ہر شہر کے ہر اہم چوراہے پر صبح کے وقت آپ درجنوں کے حساب سے ایسے مزدوروں کو کھڑا ہوا دیکھ سکتے ہیں جو کسی ایسے شخص کے انتظار میں ہوتے ہیں جو آئے، انہیں کام کرنے کے قابل سمجھے اور اپنے ساتھ کام پر لے جائے۔ ان مزدوروں سے کام کروانے والے لوگ آتے ہیں اور اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق مزدوروں کو اپنے ساتھ کام کروانے کی غرض سے لے بھی جاتے ہیں، لیکن اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کام پر نہ جانے والوں کی تعداد کام پر جانے والوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر آپ ان مزدوروں کا جائزہ لیں تو آپ کو ان میں ہر عمر کا مزدور نظر آئے گا، صحت مند، توانا، بیمار، لاغر بوڑھا، نوجوان، پڑھا لکھا، اَن پڑھ، شہری، دیہاتی، غرض کہ ہر رنگ و نسل و مذہب کا محنت کش، محنت کی منڈی میں اپنے آپ کو فروخت کرنے کے لئے موجود ہوتا ہے۔ پاکستان کے ہر شہر میں ان مناظر کو جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے دیہاڑی دار مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ محنت کش، جن کو دیہاڑی دار مزدور کہا جاتا ہے۔ 400 روپے سے 500 روپے روزانہ پر مزدوری کرتے ہیں۔ بشرطیکہ انہیں مزدوری مل جائے۔ ان دیہاڑی دار مزدوروں کو ملکی آئین و قانون میں لکھے ہوئے محنت کشوں کے حقوق کی کوئی خبر نہیں ہے۔ یہ اپنا رزق، ہر روز خود پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی ان کے پہلو بہ پہلو چلتی ہے۔ دورانِ کام زخمی ہو جانے کی صورت میں انہیں علاج معالجہ کی سہولت کوئی حاصل نہیں ہے۔ یہ محنت کش پاکستان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی حرکت سے زندگی رواں دواں رہتی ہے۔

کنسٹرکشن کے شعبہ میں خواتین کا کردار:

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ کنسٹرکشن کا شعبہ مرد حضرات کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اس شعبہ میں خواتین بھی مردوں ہی کی طرح کام کرتی ہیں، یہ خواتین جنہیں عام طور پر ہم سب لوگ ''اوڈھ'' کہتے ہیں۔ یعنی خانہ بدوش، یہ لوگ شہروں کے گرد و نواح میں جھونپڑیوں میں گروہ کی شکل میں رہتے ہیں۔ ان خانہ بدوشوں کی بہت سی قسمیں ہیں ان سب کے الگ الگ پیشے ہیں۔ ان کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔ یہ صدیوں سے یوں ہی رہتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے اپنے رسم و رواج ہیں۔ ان کے ہاں تعلیم حاصل کرنے کا کوئی رواج نہیں ہے۔ یہ شادیاں بھی آپس میں ہی کرتے ہیں۔ اپنے خاندان اور قبیلے کے رسم و رواج کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ ان ہی خانہ بدوشوں میں وہ خانہ بدوش بھی ہیں جن کی خواتین اپنے مردوں

کے ہمراہ کنسٹرکشن جیسے محنت طلب شعبہ میں کام کرتی ہیں۔ یہ لوگ جو کنسٹرکشن کا کام بھی گروہ کی شکل میں کرتے ہیں۔ کام کو دیہاڑی کی بنیاد پر کم اور ٹھیکہ کی بنا پر زیادہ کرتے ہیں۔ سڑکوں کی تعمیر، پلوں کی تعمیر، بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر جیسے کاموں کو کرنے کے لئے گروہ کا سربراہ جو کہ مرد ہوتا ہے۔تعمیرات کرنے والوں کے ساتھ اپنے تمام تر معاملات کو طے کرلیتا ہے۔ پھر وہ اپنے گروہ کو لے کر جس میں عام طور پر 20 سے 30 تک خواتین و مرد و بچے ہوتے ہیں۔ اپنے کام کا آغاز کردیتا ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر غیر ہنر مند لوگ ہوتے ہیں، اس لئے ان کی زیادہ تعداد مزدوری ہی کرتی ہے۔عورتیں لڑکیاں، بچے، مرد سب اکٹھے مل کر کام کرتے ہیں، جن عورتوں کے شیر خوار بچے ہوتے ہیں، وہ بچے بھی ان کے ہمراہ ہی ہوتے ہیں۔ دودھ پیتے بچوں کو ان محنت کش عورتوں نے ایک کپڑا باندھ کر اپنی کمر پر اٹھایا ہوا ہوتا ہے اور دوران کام وہ بچہ سارا سارا دن ان کی کمر پر ہی موجود رہتا ہے۔ وہ بچے جو چل پھر سکتے ہیں، تھوڑا بہت بوجھ اٹھا سکتے ہیں وہ بھی ان کاموں میں اپنے والدین کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں۔ شیر خوار بچوں والی عورتیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ بھی کام کے دوران ہی پلاتی ہیں، کام کی جگہ کے قریب ترین ہی کسی مناسب جگہ پر وہ اپنی رہائش کا انتظام کرلیتے ہیں۔کھانا پکانے سے لے کر ضروریات زندگی کے دیگر معاملات کو بھی اسی جگہ پر کسی نہ کسی طرح سے پورا کرلیتے ہیں۔ پینے کا پانی بھی تقریباً وہ ہی استعمال میں آتا ہے جو کنسٹرکشن کے کام میں استعمال ہوتا ہے۔ مناسب غسل خانوں کا کوئی تصور ان کے ہاں نہیں ہے۔ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وہ قدرتی ذرائع استعمال کرتے ہیں، بیماری کی صورت میں انہیں اپنا علاج بھی خود ہی کروانا پڑتا ہے۔ یہاں تک کے خواتین کے زچگی کے معاملات بھی وہیں سرانجام پاتے ہیں۔ زخمی ہونے والے خواتین وحضرات و بچے، اپنا علاج خود ہی کرواتے ہیں ماسوائے اس کے کہ کوئی بڑا حادثہ رونما نہ ہوجائے۔کنسٹرکشن کے اس کام میں کام کا زیادہ تر بوجھ خواتین پر ہی ہوتا ہے۔ سماجی بندھنوں میں بندھی ہوئی یہ اَن پڑھ خواتین، اپنے گروہ اور قبیلے کی روایات کے زیر اثر کسی حد تک بغیر کسی معاوضے کے صرف اپنے خاوند، بھائی یا باپ کی خوشنودی کے لئے کام کرتی ہیں، اگر یوں کہا جائے کہ یہ خواتین اور بچے Bounded labour یا جبری مشقت Forced Labour کے زمرے میں آتے ہیں جو محنت تو دن رات کرتے ہیں لیکن معاوضہ انہیں صرف اور صرف زندہ رہنے کے لئے روٹی اور چند جوڑے کپڑوں کی شکل میں ملتا ہے۔ اپنے بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک یہ خواتین یہ ہی مشکل ترین کام کرتی ہیں۔ ان کی حالت زار پر آج تک کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔

جو اینٹیں اٹھاتی ہیں، روڑی توڑتی ہیں، اینٹوں اور سیمنٹ کے مصالحے کو نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر تک پہنچاتی ہیں۔

شعبہ کان کنی:

مائننگ یا کان کنی کا شعبہ دنیا کا قدیم ترین اور مشکل ترین شعبہ ہے۔ کان کنی دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ زیرزمین اور زمین سے اوپر۔ دونوں شعبوں میں حادثات کی تعداد دیگر شعبوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت نے 1923ء میں مائنز ایکٹ بنایا تھا تاکہ ہندوستان میں، کان کنی میں کام کرنے والوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ برطانیہ میں 1842ء میں مائنز ایکٹ لاگو کیا گیا تھا۔ پاکستان میں فاٹا سے لے کر گلگت بلتستان، آزاد کشمیر، خیبر پختونخواہ، بلوچستان اور پنجاب و سندھ بھر میں مائننگ کا کام ہوتا ہے۔ پاکستان میں آج بھی 1923ء کے مائنز ایکٹ پر عملدر آمد کیا جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مائنز میں وہ خواہ زیرزمین ہوں یا سطح زمین پر قانون کے مطابق ہیلتھ اینڈ سیفٹی کا تمام سامان مہیا کیا جاتا ہے؟ بقول مرکزی چیئرمین پاکستان مائنز ورکرز فیڈریشن سرزمین افغانی پچھلے 10 سالوں میں فاٹا کے مائنز کے علاقوں میں، مائنز میں کام کرنے والے 833 مزدوروں کی موت واقع ہوئی ہے۔ یہ حادثات زیادہ تر کان میں گیس جمع ہوجانے یا کان کے بیٹھ جانے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرگودھا (پنجاب) (Surface Mining) زمین کے اوپر مائنز کے کام کا ایک وسیع نیٹ ورک موجود ہے۔تقریباً 20 ہزار محنت کش، 35 کلومیٹر میں پھیلے ہوئے اس نیٹ ورک میں کام کرتے ہیں جو 700 سے 900 فٹ تک کی بلندی پر جا کر پہاڑوں کو ڈائنامائیٹ سے بلاسٹ کر کے توڑتے ہیں۔ اس کے بعد وہ پتھر کرشنگ کے مراحل سے گزرنے کے بعد بجری کی شکل اختیار کر کے پورے پنجاب کی کنسٹرکشن کے شعبہ جات کو سپلائی ہوتا ہے۔تقریباً 3000 ٹرک روزانہ سپلائی کا یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ اس شعبہ میں کام کرنے والے زیادہ تر مزدوروں کا تعلق آزاد کشمیر، میانوالی، کوئٹہ، چترال، سوات، کرک اور گلگت بلتستان جیسے کم ترقی یافتہ علاقوں سے ہوتا ہے۔

سرگودھا میں زمین کے اوپر "surface Mining" کا آغاز 1970ء میں ہوا۔ 2000ء تک یہاں محنت کشوں کی کوئی یونین موجود نہیں تھی۔ 1970ء سے 2000ء تک اس شعبہ میں کتنی اموات ہوئیں اور کتنے لوگ دوران کام زخمی ہوئے

جدول 6.1: سرگودھا میں کان کنی کے جان لیوا حادثات

سنہ	تعداد
2000	19
2001	15
2003	14
2004	14
2005	13
2006	19
2007	14
2008	14
2009	11
2010	10
2011	5
2012	13
2013	13
2014	14

اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے، لیکن جب 2002ء میں پہاڑی مزدور ٹریڈ یونین اور پہاڑی مزدور اتحاد یونین کے ناموں سے رجسٹرڈ ہو گئیں تو اس علاقہ میں محنت کشوں کی پہاڑوں سے گر کر یا پتھر لگنے سے اموات کا جو ریکارڈ یونینز نے اکٹھا کیا وہ جدول 6.1 میں درج ہے۔

2015ء میں اب تک 6 محنت کش ہلاک ہو چکے ہیں، جبکہ زخمی ہونے والے محنت کشوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مائنز ایکٹ کے مطابق، مائنز مالکان اور لیز ہولڈز اس بات کے پابند ہیں کہ وہ مائنز میں کام کرنے والے محنت کشوں کو سیفٹی کا تمام سامان مہیا کریں اور مائنز ڈائریکٹوریٹ کے افسران قانوناً اس بات کے پابند ہیں کہ وہ محنت کشوں کی حفاظت کے لئے تمام تر اقدامات کو یقینی بنائیں، مگر ایسا نہیں ہوتا جب سے سرگودھا میں مائنز کی یونینز رجسٹرڈ ہوئی ہیں، صورت حال میں قدرے بہتری آئی ہے، یونین کی کوششوں سے سرگودھا کہ مائنز ایریا میں ایک ہسپتال زیر تعمیر ہے، مائنز ایریا میں ہسپتال کے نہ ہونے کی وجہ سے پہاڑوں سے گر کر زخمی ہونے والے محنت کشوں کو فیصل آباد یا سرگودھا کے ہسپتال تک لے جانا پڑتا ہے، جس میں بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے اور بہت سی اموات صرف خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ہو جاتی ہیں، اس کے علاوہ مائنز میں کام کرنے والے محنت کشوں کو لاتعداد بیماریاں بھی لاحق ہوتی ہیں۔ ان کے علاج معالجہ کا بھی معیاری اور مکمل انتظام موجود نہیں ہے۔ آج تک مائنز میں کام کرنے والے محنت کشوں کا کم سے کم معاوضہ طے نہیں ہو سکا ہے۔ سرگودھا ریجن کی طرح راولپنڈی ریجن کے علاقوں پنڈ دادنخان، میانوالی، خوشاب، چکوال اور کھیوڑہ میں کوہستان نمک کا علاقہ ہے۔ ان علاقوں میں جپسم اور لائم سٹون کے پہاڑ اور پہاڑیاں ہیں۔ یہاں سے پتھر اور جپسم نکالتے ہوئے اکثر مزدور پہاڑوں کے نیچے آ کر ہلاک و زخمی ہو جاتے ہیں۔ پنڈ دادنخان کے مائنز ایریا میں 2014ء میں 18 محنت کش ہلاک ہوئے۔ 2015ء میں 9 محنت کش ہلاک ہوئے ان علاقوں میں ایسے محنت کشوں کی دیکھا جا سکتا ہے۔ جو مائنز میں کام کرنے کی وجہ سے زندگی بھر کے لئے معذور ہو گئے ہیں اور اب ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ جب تک ان علاقوں میں مائنز ورکرز کی کوئی یونین موجود نہیں تھی نہ تو کوئی مزدور ای او بی آئی اور سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ تھا اور نہ ہی چائلڈ لیبر کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔

باب 7: لیبر انسپکشن کے مسائل

آئی ایل او کے کنونشن نمبر 81 کے تحت لیبر انسپکشن لازمی ہے اور اس کنونشن کی توثیق پاکستان نے کر رکھی ہے جس کے تحت پاکستان کو آئی ایل او کو رپورٹنگ کرنا ضروری ہے۔ لیبر انسپکشن ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے جو موجود لیبر قوانین پر عملدرآمد کی صورتحال مزدوروں کے حالات کار، صحت وصفائی اور حفظان صحت کے بارے میں جائزہ اوقات کار کام کی جگہ پر سلامتی کا ماحول، شرائط ملازمت، اجرتوں کا معیار، بچوں کی بھرتی، خواتین کی بھرتی اور ان کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں معلومات، مستقل، عارضی اور نیز فل ٹائم، پارٹ ٹائم اور ٹھیکیداری و پیس ریٹ ورکرز کی اجرتوں، سہولیات و مراعات کا تعین، سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن اوقات کار، اوور ٹائم کا طریقہ کار، کینٹین اور فیئر پرائس شاپ کی سہولت کے بارے میں تمام تر معلومات کا حصول صرف لیبر انسپکشن سے ہی ممکن ہے۔

اگر لیبر انسپکشن کا سسٹم مضبوط، فعال، متحرک اور پروفیشنل لوگوں کے ذریعے ہو تو مزدوروں کے خلاف ہونے والی بہت سے بے ضابطگیوں اور ان کے قانونی حقوق کی پائمالی کو اجاگر کرتے ہوئے ان پر قابو پایا جاسکتا ہے اور اگر لیبر انسپکشن محض رسمی کارروائی تک محدود ہو اور خانہ پری پر ہی اکتفا کیا جائے تو مزدوروں کو درپیش مسائل اور قانونی حقوق سے محرومی کے بارے میں صحیح صورتحال سے آگہی اور دیگر معلومات کا حصول ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ لیبر انسپکشن ہی کے ذریعے کسی ادارہ میں صحت وسلامتی اور انسانی جانوں کے لئے خطرناک ممکنہ حادثات پر قابو پانے کی احتیاطی تدابیر پر عملدرآمد ہوسکتا ہے اور یہ آجر اور اس کے ادارہ کے لئے بھی انتہائی ضروری اور فائدہ مند ہے۔ موثر لیبر انسپکشن کے لئے ضروری ہے کہ لیبر انسپکٹر کسی کو بھی وقت دن یا رات کو جب بھی ضروری سمجھتا ہو کسی بھی فیکٹری یا ادارہ کی انسپکشن کے لئے آزاد اور خود مختار ہو اور وہ حقیقی صورتحال کی مکمل رپورٹ جاری کرنے اور تمام بے ضابطگیوں اور خلاف قانون سرگرمیوں پر مکمل ایکشن لے سکے اور جس قدر ضروری ہو تادیبی کارروائی پر عملدرآمد کرواسکے۔

لیبر انسپکشن کو ہمارے حکمران کس حد تک ضروری سمجھتے ہیں اور کتنی ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ 2003ء سے 2012ء تک پنجاب میں لیبر انسپکشن پر پابندی لگا دی گئی اور سندھ میں لیبر انسپکشن پر عملدرآمد روک دیا گیا اور یہ امر کس قدر قابل تشویش ہے کہ لیبر انسپکشن اس وقت بحال ہوئی جب کراچی میں 2012ء بلدیہ ٹاؤن (علی انٹر پرائزز) کا جان لیوا حادثہ ہوا جس میں سینکڑوں مزدور اور کارکن خواتین لقمہ اجل بنے اور لاہور میں ملتان روڈ پر فیکٹری میں حادثہ میں درجنوں مزدور اور خواتین ہلاک ہوگئیں۔ اس دس سالہ عرصہ میں ایک طرف لیبر انسپیکشن کی عدم موجودگی میں مزدوروں کے حالات اور ان سے ہونے والے سلوک سے متعلقہ ادارے لاعلم رہے تو دوسری طرف ایمپلائرز اور مالکان لیبر انسپکٹرز کی قانون پر عمل دار آمد کی تکنیکی مشاورت اور قیمتی تجاویز سے بھی محروم رہے۔ لیبر قوانین میں ورکرز کی تعداد کے حوالے سے اطلاق پر بھی بعض ابہام کی وجہ سے مالکان مختلف تعداد کا ریکارڈ دکھا کر متعلقہ قانون سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر فیکٹری ایکٹ 1934ء کا اطلاق کم از کم 10 ورکرز پر ہوتا ہے، جبکہ دس سے کم ورکرز پر شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹ آرڈیننس 1969ء کا اطلاق ہوتا ہے اور سوشل سکیورٹی آرڈیننس اور ای او بی آئی ایکٹ 1976ء کا اطلاق 5 یا 5 سے زائد ورکرز پر ہوتا ہے۔ اسی طرح 50 ورکرز پر گریجوایٹی، 250 ورکرز پر کینٹین اور 100 ورکرز پر فیئر شاپس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ لیبر انسپکٹرز عارضی اور کنٹریکٹ پر کام کرنے والے ورکرز کو یکسر نظرانداز کردیتے ہیں، حالانکہ فیکٹری ایکٹ کی دفعہ 2(h) اور اسٹینڈنگ آرڈر آرڈیننس کی دفعہ 20 کے تحت کسی بھی صنعتی یا کمرشل ادارہ کا مالک ہی تمام مزدوروں کے قانونی حقوق و مراعات کا مکمل طور پر ذمہ دار ہے اور اس سلسلہ میں لاہور ہائیکورٹ نے بھی کئی فیصلے کئے ہیں۔

وفاقی وزارت انسانی وسائل اور سمندر پار پاکستانیوں کے ورکنگ پیپر کے مطابق اب ہم لیبر انسپکٹرز کی تعداد اور سرکاری طور پر رجسٹرڈ فیکٹریوں اور شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹس کی تعداد کا موازنہ دکھاتے ہیں۔

جدول 7.1: انسپکشن کی بابت رجسٹریشن لیبر انسپکٹر اور تربیت کے نظام کی صورتحال

	خیبرپختونخواہ	سندھ	پنجاب	بلوچستان
رجسٹرڈ فیکٹریوں کی تعداد	895	8,572	14,013	503
رجسٹرڈ شاپس اور اسٹیبلشمنٹس کی تعداد	74,286	17,311	147,189	88,920
لیبر انسپکٹرز کی تعداد	55	190	221	81
ٹریننگ انسٹیٹیوٹ برائے لیبر انسپکشن	نہیں	NILAT نیشنل انسٹیٹیوٹ آف لیبر ایڈمنسٹریشن اینڈ ٹریننگ	انڈسٹریل ریلیشنز انسٹیٹیوٹ اور سعید احمد اعوان (CIWP) سینٹر فار دی انپر وومنٹ آف ورکنگ کنڈیشنز اینڈ انوائرمنٹ	نہیں

Op&HRD

تمام صوبوں میں لیبر انسپکٹرز کی تعداد آج بھی وہی ہے جو کہ 60 یا 70 کی دہائی میں تھی، حالانکہ اس عرصہ میں فیکٹریوں اور شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹس کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ لیبر انسپکٹرز کی باضابطہ ٹریننگ اور استعداد کار فنی و تکنیکی مہارت کے حصول کے لئے کوئی موثر انتظام نہیں ہے زیادہ تر نئے بھرتی شدہ انسپکٹرز اور عملہ پرانے انسپکٹر کے تجربات سے ہی سیکھتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری حکمران اشرافیہ محکمہ محنت اور لیبر انسپکٹر کو کتنا اہم سمجھتے ہیں۔

جہاں تک انسپکٹر آف فیکٹریز کی ہر صوبے میں تعداد کا تعلق ہے وہ جدول 7.2 میں درج ہے۔

جدول 7.2: انسپکٹرز آف فیکٹریز (Inspector of Factories)

صوبے	مائنز	ٹیکنیکل	OSH	فیکٹری	ٹوٹل
پنجاب	10	2	4	114	130
سندھ	24	10	8	78	120
خیبرپختونخواہ	14	1	--	24	39
بلوچستان	10	--	2	33	45
ٹوٹل	58	13	14	249	334

OPCHRD

جہاں تک لیبر انسپکٹرز کی تنخواہوں، سہولیات اور مراعات کا تعلق ہے تو وہ ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے نہ صرف بہت کم ہیں، بلکہ ان کے لئے ناقابل اطمینان و غیر تسلی بخش ہیں۔ صوبہ سندھ خیبرپختونخواہ اور بلوچستان میں لیبر انسپکٹرز کا تنخواہوں کا سکیل گریڈ 9 سے شروع ہو کر گریڈ 19 تک ہے، جبکہ صوبہ پنجاب میں یہ سکیل گریڈ 14 سے گریڈ 19 تک کا ہے۔

لیبر انسپکشن کی صورتحال

اگر مختلف صوبوں میں لیبر انسپکشن کا مختصراً اجمالی جائزہ لیا جائے تو صورتحال کچھ اس طرح ہے۔

بلوچستان

1960ء سے آج تک لیبر انسپکٹرز کی تعداد 72 ہے، جبکہ بلوچستان کے کل 32 اضلاع ہیں۔ لیبر انسپکٹر کی تعلیمی قابلیت گریجوایٹ جبکہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر فار شاپس اینڈ اسٹیبلمنٹس کی تعلیمی قابلیت FA کے برابر ہے۔ لیبر انسپکٹرز کی ٹریننگ اور تکنیکی مہارت بڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے لیبر انسپکٹرز کے پاس گاڑیاں کم ہیں، جبکہ ٹریولنگ الاونس کے لئے فنڈز کم ہیں بلوچستان میں فاصلے بہت زیادہ ہیں اور امن وامان کی صورتحال بھی غیر تسلی بخش ہے۔ جہاں تک مائنز کی انسپکشن کا تعلق ہے 5 صوبائی ڈویژن مائننگ کی ہیں ہر ڈویژن میں ایک ڈویژنل انسپکٹر اور اس کے نیچے جونیر انسپکٹرز آف مائنز ہیں ہر انسپکٹر اور جونیر انسپکٹر کو ہر ماہ 10 مائنز کی انسپکشن کرنا ہوتی ہے۔ 10 انسپکٹنگ آفیسر میں سے 3 ریجنل سطح پر اور 7 ضلع سطح پر ہیں اس کے علاوہ 5 مائنز لیبر ویلفیئر آفیسرز ہیں۔ لیبر انسپکٹرز میڈیکل انسپکٹرز اور ٹیکنیکل انسپکٹرز میں مربوط حکمت عملی اور باہمی روابط کا فقدان ہے۔ تمام انسپکٹرز چیف انسپکٹر آف فیکٹریز کو ماہوار اور سالانہ بنیاد پر رپورٹس دیتے ہیں آج تک کوئی مکمل رپورٹ شائع نہیں ہوئی۔

صوبہ سندھ

صوبہ سندھ میں اہم صنعتی شہر کراچی، حیدرآباد اور سکھر ہیں۔ صوبہ سندھ میں بانڈڈ لیبر (فیکٹریز ایکٹ یا شاپ آرڈیننس کا بانڈڈ لیبر پر اطلاق نہیں ہوتا۔ بانڈڈ لیبر ابالیشن ایکٹ 1992ء بانڈڈ لیبر پر لاگو ہوتا ہے اور اس میں لیبر انسپکشن کے بارے قوانین موجود نہیں ہاں البتہ بانڈڈ لیبر ضلعی ویجی لینس کمیٹیز کے ذریعے لاگو کیا جا رہا ہے) روڈ ٹرانسپورٹ اور کمرشل بنیادوں پر چلائے جانے والے تعلیمی ادارے اور میڈیکل انسٹیٹیوٹ لیبر انسپکشن کے دائرہ کار سے باہر ہیں اسی طرح زرعی سیکٹر، ہوم بیسڈ ورکرز اور ڈومیسٹک ورکرز بھی لیبر انسپکشن کے تحت نہیں آتے۔ لیبر انسپکشن

کے کل عملہ کی تعداد 200 ہے جن میں دو لیڈی انسپکٹرز ہیں سابقہ 50 سالوں میں عملہ کی تعداد تقریباً وہی ہے اکثر بھرتیاں سیاسی بنیادوں پر ہوتی ہیں جس سے سیاسی مداخلت بڑھ گئی ہے اور محکمہ کی کارکردگی پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نئے انسپکٹرز کی ٹریننگ اور استعداد کار بڑھانے اور ان کی فنی وتکنیکی مہارت بڑھانے کا کوئی مناسب بندوبست نہیں ہے صرف جونیئر انسپکٹرز اپنے سینئرز کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سندھ میں غیر اعلانیہ لیبر انسپکشن پر پابندی ہے۔ لیبر انسپکٹر کو مجاز اتھارٹی سے اتھارٹی لیٹر لینا پڑتا ہے اور جس فیکٹری کی انسپکشن کرنا ہو اس کے مالک یا آجر کو پیشگی اطلاع دینا ہوتی ہے۔ لیبر انسپکٹر کے لئے مطلوبہ وسائل دستیاب نہیں ہیں مطلوبہ تعداد میں گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں بھی نہیں ہیں۔ میونسپل حدود میں ٹریولنگ الاؤنس نہیں ملتا۔ کسی آجر کے خلاف غیر قانونی کارروائی کی وجہ سے کوئی ایکشن لینا ہوتو یہ چیف انسپکٹر آف فیکٹریز کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیبر انسپکشن کی رپورٹیں ماہوار، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیاد پر چیف کے انسپکٹر کو بھجوائی جاتی ہیں۔ آج تک سندھ لیبر ڈیپارٹمنٹ نے لیبر انسپکشن پر کوئی رپورٹ شائع نہیں کی۔

اسی طرح مائنز میں بھی انسپکٹر آف مائنز کے ماتحت 14 مائننگ انجینئر، ماتحت عملہ 24 افراد پر مشتمل ہے جن میں سے کراچی آفس میں 13 سکھر 8، حیدر آباد 10، مٹھی 3 اور ٹھٹھہ میں 3 مائینر انسپکٹر ہیں ہنگامی حالات میں مائنز کے مزدوروں کی امداد کے لئے کوئی میکنیزم نہیں ہے۔ اپنی تنخواہوں مراعات اور سہولیات سے عملہ خوش نہیں ہے اور ان میں بے چینی کا عنصر موجود ہے۔

صوبہ پنجاب

صوبہ پنجاب میں 2003ء سے 2012ء تک لیبر انسپکشن پر پابندی رہی ہے۔ پنجاب حکومت نے ابھی تک 16 قوانین محنت قانون سازی مکمل کر لئے ہیں۔ پنجاب میں لیبر انسپکٹرز کا ابتدائی پے سکیل 14 واں ہے اور زیادہ سے زیادہ 19 تک ہے۔ گزشتہ چالیس سال سے لیبر انسپکٹرز کی تعداد یکساں ہے۔ بانڈڈ لیبر، پرائیویٹ تعلیمی اداروں اور میڈیکل انسٹیٹیوٹ جو کمرشل بنیادیوں پر چلائے جا رہے لیبر انسپکشن کی عملداری سے باہر ہیں اسی طرح ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز زرعی مزدوروں اور غیر رسمی سیکٹر پر بھی لیبر انسپکشن کا اطلاق نہیں ہے۔

لیبر انسپکٹر آزادانہ طور پر جب چاہے لیبر انسپکشن کر سکتا ہے اور کوئی بھی قانونی کارروائی صرف چیف انسپکٹر آف فیکٹریز کی اجازت سے ہو سکتی ہے۔ ابھی تک کوئی سالانہ رپورٹ شائع نہیں ہوئی حال ہی میں ILO کے ساتھ پروجیکٹ پر 18 اضلاع میں آن لائن رپورٹنگ کی سہولت کی طرف سفر گامزن ہے۔ ایک اور پروجیکٹ کے ذریعے ٹریننگ اور استعداد کار بڑھانے کے لئے کام جاری ہے جس کے تحت حتی الوسع آئی ایل او کے بنیادی معیارات پر عملدرآمد ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ پنجاب میں صرف دو لیڈی انسپکٹرز ہیں۔ پنجاب میں مائنز کی انسپکشن کے لئے کل 10 انسپکٹرز ہیں جن میں ایک چیف مائننگ انسپکٹرز، 3 انسپکٹرز اور 7 جونیئر انسپکٹرز ہیں۔

7.1 : راجپوت پولی تھین انڈسٹریز واقع سندر انڈسٹریل اسٹیٹ لاہور کا جان لیوا حادثہ بتاریخ 3 نومبر 2015۔ چند اہم حقائق

- فیکٹری کی صرف دو منزلیں کنسٹرکشن کے لئے منظور شدہ تھیں۔
- فیکٹری کے سٹرکچر اور Pillers (ستونوں) میں دراڑیں موجود تھیں۔
- عمارت اس قدر کمزور تھی کہ مشینیں چلنے پر فیکٹری لرز اٹھتی تھی۔
- غیر قانونی طور پر تیسری منزل موجود اور چوتھی منزل زیر تعمیر تھی۔
- تیسرے فلور پر بھاری مشینری رکھنے سے فیکٹری کی چھت بوجھ نے سہار سکی اور دھڑام سے گر گئی۔
- فیکٹری کی خستہ حالی سے مزدور پریشان تھے اور انہوں نے بار ہا مالک اور انتظامیہ سے احتجاج کیا۔
- آدھے ورکرز فیکٹری سے استعفے دے چکے تھے لیکن چونکہ مالک / ٹھیکیدار نے دو ماہ کی تنخواہ نیچے لگا رکھی تھی اسی لئے حساب کتاب نہ ملنے کی وجہ سے فارغ نہ ہو سکے۔
- فیکٹری میں 12،12 گھنٹے کی دو شفٹیں کام کرتی تھیں۔
- کم از کم تنخواہ نہیں ملتی تھی صرف 200 روپے روزانہ اجرت ملتی تھی۔
- با تنخواہ چھٹیوں کا کوئی رواج نہ تھا اور چھٹی کی دیہاڑی کاٹ لی جاتی تھی۔

- ★ مزدوروں کی تعداد بچ جانے والے مزدوروں کے مطابق سینکڑوں میں تھی۔ ان کے مطابق تعداد 400 سے 500 تک تھی۔
- ★ صرف 40 ورکرز سوشل سکیورٹی میں اور 60 ورکرز ای او بی آئی میں رجسٹرڈ تھے۔
- ★ اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ ان کو یہ کارڈ وصول بھی کروا دیے گئے تھے یا نہیں۔
- ★ حادثہ میں 50 سے زائد مزدور ہلاک اور 100 سے زائد زخمی ہوئے۔
- ★ قابلِ تشویش بات یہ ہے کہ مزدوروں کے لواحقین کے لئے کسی نے کھانے پینے کا بندوبست نہ کیا اور نہ رہائش کا انتظام تھا۔
- ★ لیبر انسپکشن کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔
- ★ فیکٹری کے باہر بورڈ پر لکھا تھا کہ ''معزز سرکاری اہلکاروں سے گزارش ہے کہ وہ فیکٹری ہذا میں داخلہ سے قبل ایسوسی ایشن کے دفتر سے رابطہ کریں تاکہ ایسوسی ایشن آپ کے ساتھ بہتر تعاون کر سکے۔ سیکرٹری سندرانڈسٹریلسٹ ویلفیئر ایسوسی ایشن 0321-4740001''
- ★ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ حکومت کی طرف سے اعلان کردہ فوت ہونے والوں کے لئے 5 لاکھ روپے اور زخمیوں کے لئے 50,000 روپے صوبائی حکومت اپنے بجٹ سے دے گی یا ورکرز ویلفیئر فنڈ والی ڈیتھ گرانٹ ہی ہوگی۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ حکومت اپنے بجٹ سے علیحدہ امداد بھی کرے۔
- ★ فیکٹری میں چائیلڈ لیبر موجود تھی ان کی تعداد کا تعین تحقیقاتی رپورٹ میں ہونا چاہیے۔
- ★ تحقیقاتی رپورٹ میں مزدوروں کی کل تعداد، ان کو ملنے والی اجرت، سہولیات اور دیگر تمام معاملات شامل ہونے چاہئیں۔

یہ خون خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوا

خیبر پختونخواہ

میں کل 64 لیبر انسپکٹرز ہیں صوبہ میں کنٹریکٹ ورکرز رکھنے سے قبل ایمپلائر کو چیف انسپکٹر آف فیکٹریز سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہے۔ جس کی معیاد 180 دن تک ہے۔ کم از کم اجرت کا دائرہ کار پرائیویٹ سکولز اور ہسپتالوں تک بڑھایا گیا ہے۔ جو کمرشل بنیادوں پر چلائے جا رہے ہیں۔ ILO کی مدد سے خواتین ورکرز بارے لیبر انسپکٹرز کی آگہی کے لئے ایک پروجیکٹ جاری ہے۔ لیبر انسپکٹرز کی ٹریننگ اور استعداد کار بڑھانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ وسائل کی قلت ہے مطلوبہ تعداد میں گاڑیاں وغیرہ نہیں ہیں جونیئر انسپکٹرز سینئر انسپکٹرز سے سیکھتے ہیں۔ ٹریولنگ کے اخراجات ادا نہیں کئے جاتے۔ لیبر انسپکٹر آزادانہ طور پر انسپکشن کر سکتے ہیں اور اگر کوئی رکاوٹ ڈالے تو 50 ہزار جرمانہ ہوتا ہے۔ دوسری دفعہ روکنے پر جرمانہ اور سزا دونوں ہوسکتی ہیں ابھی تک کوئی تحریری رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی۔

جدول 7.3 میں لیبر انسپکشن کی حالیہ صورتحال کے اعداد و شمار درج ہیں۔

جدول 7.3: پاکستان کے چاروں صوبوں میں لیبر انسپکشن کی کارکردگی 2014

صوبے	دائرہ کار	انسپکشنز	سزاوار ٹھرایا گیا	قانونی کاروائی کی گئی	جرمانہ پاکستانی روپوں میں
بلوچستان	فیکٹریز	381	30	44	17,100
	شاپس اینڈ اسٹیبلیشمنٹس	3,549	684	692	15,092
سندھ	فیکٹریز	1760	12	12	4,000
	شاپس اینڈ اسٹیبلیشمنٹس	3,762	1,034	1,357	136,815
پنجاب	فیکٹریز	9,237	4,732	4,732	2,762,391
	شاپس اینڈ اسٹیبلیشمنٹس	652,993	57,371	56,005	2,854,879
خیبر پختونخواہ	فیکٹریز	3,404	2,290	2,209	1,524,660
	شاپس اینڈ اسٹیبلیشمنٹس	37,610	3,348	3,348	1,293,392

ایک موثر اورحقیقی معنوں میں پروفیشنل انداز میں لیبر انسپکشن صرف مزدوروں کے لئے ہی بہتر نہیں بلکہ خود انڈسٹری اور اداروں اور مالکان کے لئے بھی مفید ہے لیبر انسپکشن سے جہاں مزدوروں سے روا رکھے جانے والے سلوک اور ان کے قانونی حقوق کے تحفظ یا عدم تحفظ کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ہر فیکٹری میں صحت وسلامتی کے ماحول اور ہنگامی حالات احتیاطی تدابیر بارے آگہی اور خدانخواستہ کسی بڑے سانحے اور نقصان سے بچنے کیلئے بھی منصوبہ بندی میں فائدہ ہوسکتا ہے ہمارے ہاں اکثر چھوٹے یونٹ معمولی معمولی لغزشوں سے بڑے بڑے نقصان اٹھاتے ہیں لاہور میں جوتے بنانے والے کارخانے کا مالک اور بیٹا بھی آگ میں جل کر ہلاک ہو گئے کیونکہ کارخانے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا اور ہنگامی حالات میں نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور جب ایسے اداروں کی انشورنس بھی نہ ہو تو مالکان بھی راتوں رات معاشی طور پر تباہ ہو جاتے ہیں اس لئے ہم اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ایک موثر لیبر انسپکشن ہر حال میں ضروری ہے اور اس کیلئے درج ذیل تجاویز پر غور کرنا ضروری ہے

تجاویز

1- ایک آزاد اور خودمختار لیبر انسپکشن اتھارٹی کا قیام جو کسی اور محکمہ کی ذیلی شاخ نہ ہو۔

2- اعلیٰ تعلیم یافتہ پروفیشنل اور اپنے کام میں مکمل مہارت رکھنے والے لیبر انسپکٹرز ہی ملازمت پر رکھے جائیں۔

3- لیبر انسپکٹرز کی مکمل ٹریننگ اور ان کی استعداد کار بڑھانے کا مستقل انتظام اور اس کے لئے کوئی باضابطہ ادارہ جو یہ کام کرے۔

4- لیبر انسپکٹر کو انسپکشن کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہ ہو اور وہ جب چاہے جس وقت چاہے کسی بھی ادارہ کی انسپکشن کرنے کا مجاز ہو۔

5- جو کچھ فیکٹری یا ادارے سے معلومات اکٹھی ہو ان کو ویب سائٹ پر مشتہر کر دیں تا کہ ان کی تصدیق زمینی حقائق کے مطابق کی جاسکے۔

6- اگر تمام متعلقہ فریق (Stakeholders) راضی ہوں تو لیبر انسپکشن کیلئے سہ فریقی کمیٹیاں بھی تشکیل دی جاسکتی ہیں تا کہ ان کے حاصل کردہ نتائج پر کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔

7- لیبر انسپکٹرز کی تعداد اس قدر لازمی ہو کہ وہ تمام صنعتی وتجارتی اور دیگر اداروں کی آسانی سے انسپکشن کر سکیں اور ان کی ماہانہ سہ ماہی ششماہی سالانہ رپورٹس مرتب کر سکیں۔

8- لیبر انسپکٹر کو مناسب تنخواہیں اور دیگر وسائل مہیا ہوں تا کہ وہ آسانی سے خریدے نہ جاسکیں اور ٹرانپورٹ اور دیگر ضروری آلات مہیا ہوں تا کہ وہ تیزی سے حرکت کر سکیں۔

9- لیبر انسپکشن کے سلسلہ میں مالکان کے علاوہ ٹریڈ یونینز سے کو بھی صورت حال سے آگاہ رکھا جائے اور ان کی باضابطہ شرکت کو یقینی بنایا جائے۔

10- مرکزی اتھارٹی ہر سال لیبر انسپکشن کی ملک گیر رپورٹ شائع کرے تا کہ تمام متعلقہ اندرونی وبیرونی ادارے اس سے آگاہ رہیں۔

11- لیبر انسپکشن کو روکنے والے مالکان اور انتظامیہ اور سیاسی عناصر کی بے جا مداخلت کے تمام دروازے بند رہنے چاہیں۔

12- بدلتے ہوئے حالات میں صحت وسلامتی کے نئے آلات اور نئے طریقہ کار اور تدابیر پر مبنی لٹریچر تمام متعلقہ فریقوں کو مہیا کیا جائے۔

13- لیبر انسپکشن کا دائرہ کار رسمی شعبوں کے ساتھ غیر رسمی شعبوں تک بھی بڑھایا جائے۔

14- آئی ایل او کنونشن 81 حالات کار میں تبدیلیوں کی وجہ سے افادیت کھو بیٹھا ہے ضروری ہے کہ حکومت پاکستان اس کی جگہ جدید کنونشن نمبر 155 اور 186 کی توثیق کرے۔

7.2: پاکستان میں صنعتی وتجارتی اداروں سے اہم معلومات اور اعداد وشمار کے حصول کا ایک حل، سیلف ڈیکلریشن فارم

پاکستان میں مزدوروں اور لیبر کے حوالے سے قابل یقین معلومات کی کمی ہے اور صحیح اعداد وشمار کم ہی میسر ہیں اور جو موجود ہیں وہ ہمیشہ متنازعہ رہے ہیں۔ ہمارے ہاں افسر شاہی ایسے کاموں میں واجبی سی دلچسپی لیتی ہے اور اس کا زیادہ تر انحصار نچلے درجے کے ملازمین کی تیار کردہ رپورٹوں پر ہوتا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ، محنت طلب اور مشکل کام ہے اور بظاہر اس کام میں کوئی خاص کشش بھی نہیں ہے۔ اس کا ایک حل یہ ہوسکتا ہے کہ تمام مالکان اور آجر حضرات کو ایک سیلف ڈیکلریشن فارم پُر کر کے محکمہ محنت کو جمع کروانے کا پابند کیا جائے جس میں کم ازکم یہ معلومات لازمی درج ہوں۔

1- یونٹ رجسٹرڈ ہے یا غیر رجسٹرڈ اور اگر رجسٹرڈ ہو تو کب اور پیداواری عمل کب سے جاری ہے۔

2- یونٹ میں مزدوروں کی کل کتنی تعداد کام کرتی ہے ان میں مستقل، ڈیلی ویجز ٹھیکیداری سسٹم کے تحت کام کرنے والے اور پیس ریٹ ورکرز کی علیحدہ علیحدہ تعداد کیا ہے۔

3- کتنے مزدوروں کو ملازمت پر تقرری کے لیٹرز ملے ہیں اور ان کی سروس کا باقاعدہ ریکارڈ ہے اور ان میں سوشل سکیورٹی اور EOBI میں کتنے مزدور رجسٹرڈ ہیں۔

4- کم ازکم اور زیادہ سے زیادہ اجرت کتنی ہے۔

5- ہیلتھ اور سیفٹی کے حوالے سے کیا اقدامات کئے گئے ہیں اور ایمرجنسی سے نپٹنے کا بندوبست کیا ہے۔ نیز متعلقہ محکموں سے سیفٹی اور ہیلتھ کے بارے میں تصدیقی سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔

6- ادارے میں خواتین ورکرز کی تعداد کتنی ہے اور ان کے اوقات کار کیا ہیں۔

7- ادارے میں کام کرنے والے نابالغ بچے (اگر کام کرتے ہوں) تو کتنی تعداد میں۔

8- خواتین کارکنوں کے لئے خصوصی سہولیات مثلاً علیحدہ کنٹین یا باتھ رومز موجود ہیں یا نہیں۔

9- اتفاقیہ، میڈیکل اور سالانہ چھٹیاں کتنی ہیں اور خواتین ورکرز کے لئے میٹرنٹی لیو کا سسٹم موجود ہے۔

10- کیا اوور ٹائم کا تصور ہے اگر ہے تو سنگل اوور ٹائم ہے یا ڈبل۔

11- مجموعی طور پر کارکنوں کے اوقات کار کیا ہیں اور ہفتہ میں کتنے گھنٹے کام کیا جاتا ہے۔

12- ادارہ میں ٹریڈ یونین موجود ہے یا نہیں۔ ایک زائد یونین ہیں تو ان کے مختصر کوائف کیا ہیں۔

اسی طرح محکمہ محنت اپنی سہولت کے لئے سوالات کو بڑھا سکتا ہے۔ سابقہ مشرف دور میں حکومت پنجاب نے اسی طرح کے سوالوں پر مشتمل فارم آجروں سے پُر کروا کر جمع کروانے کی پالیسی بنائی تھی لیکن چونکہ وہ حکومت مالکان کے مفاد کے تحفظ کو زیادہ ترجیح دیتی تھی اور اس کا سیاسی عزم کمزور تھا اس لئے مالکان نے یہ فارم پر کر کے جمع کروانے سے اجتناب کیا اور حکومت نے ان پر زیادہ زور بھی نہیں ڈالا تھا لیکن اب اگر مرکزی اور صوبائی حکومتیں پورے سیاسی عزم کے ساتھ ایک معیاری سوالنامہ تیار کر کے تمام مالکان سے ایک مقررہ مدت کے اندر اندر پر کر کے جمع کروانے کے لئے سختی سے پابند کریں اور اس مہم کی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر تشہیر کریں اور فارم جمع نہ کروانے والے آجروں پر بھاری جرمانے عائد کرنے کی وارننگ دیں اور محکمہ محنت کے کارندے اس مہم میں بھرپور حصہ لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لیبر کے حوالے سے بہت سے حوالوں سے ایک حقیقی صورت حال سامنے نہ آسکے۔ ویسے بھی آج کل کے دور میں شفافیت پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور ان میں کوئی خفیہ یا کاروباری معلومات نہیں ہیں جن کو لکھ کر دینے میں کسی آجر کے کاروباری نقصان کا احتمال ہو اس لئے، ان معلومات کا حصول یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ حکومتیں اس کو سنجیدگی سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مکمل طور پر پرعزم ہوں۔ اسی طرح زرعی سیکٹر میں فارم ورکرز، مستقل اور سیزنل مزدوروں کی تفصیل مانگی جاسکتی ہے۔

اگر اس حوالے سے زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی ہو جائیں تو وہ حقیقی صورت حال کے قریب تر ہونگی اور پھر ان معلومات کی تصدیق کا بھی کوئی طریقہ کار وضع کیا جاسکتا ہے، تاکہ صنعتی یونٹوں اور مزدوروں کے حوالے سے قابل یقین اعداد وشمار مرتب ہوسکیں اور پھر ان اعداد وشمار کی روشنی میں مزدوروں کے حقوق کے بارے میں حکمت عملی اور طریقہ کار وضع کیا جاسکتا ہے۔

7.3 : جی ایس پی پلس کے سلسلے میں صنعتی اداروں کے سروے کے نتائج

جی ایس پی پلس کی رپورٹ کی تیاری کی مد میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی طرف ایک سوالنامہ مختلف شہروں اور اداروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تاکہ مزدوروں کے حقوق اور کام کی جگہوں پر مبنی حقائق کی روشنی میں حقیقی صورتحال کو سامنے لایا جاسکے۔ سروے میں چاروں صوبوں سے 136 پیداواری یونٹ اور 11 شعبے شامل تھے سروے کا دورانیہ جون تا ستمبر 2015 ہے۔ اس سروے کو پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے ممبران کی مدد سے کرایا گیا ہے۔ اس سروے کے نتائج کا خلاصہ درجہ ذیل ہے جو حقائق سامنے آئیں ہیں وہ اس رپورٹ میں پیش کئے گئے تجزیے کی تصدیق کرتے ہیں۔

1- خواتین کا ملازمتوں میں مجموعی طور پر حصہ صرف 10 فیصد ہے۔ ذرائع ابلاغ (Media) میں خواتین کی ملازمتوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد گارمنٹس اور کھیلوں کے سامان کی تیاری کے شعبے میں خواتین زیادہ تر کام کرتی ہیں۔

2- مستقل مزدوروں کا تناسب صرف 50 فیصد ہے بقیہ عارضی ٹھیکیداری اور پیس ریٹ کے تحت کام کرتے ہیں صرف 19 فیصد خواتین مستقل ملازم ہیں

3- ملازمت کا تقرر نامہ (Employment Contract) 50 فیصد سے کم مزدوروں کے پاس ہیں صرف 42 فیصد مزدوروں کے پاس سوشل سکیورٹی کارڈ ہیں اور صرف 33 فیصد EOBI کے کارڈ ہولڈر ہیں خواتین کارکنوں میں صرف 13 فیصد کے پاس سوشل سکیورٹی اور صرف 11 فیصد کے پاس EOBI کارڈ موجود ہیں

4- کل 59 فیصد اداروں میں یونین موجود ہیں۔ جن اداروں میں یونین موجود ہیں وہاں 77 فیصد نے بتایا کہ ان کی یونین کا غذی یا پاکٹ یونین ہے جن ادروں میں یونین موجود ہیں وہاں 18 فیصد یونٹوں میں تین یا اس سے زائد یونین موجود ہیں ان میں سے 24 فیصد سی بی اے یونینز ڈیمانڈ نوٹس دیتی ہیں۔

5- لیبر انسپکشنز کی صورتحال یہ ہے کہ ان اداروں میں 44 فیصد لیبر انسپکشن ہوتی ہیں۔ ان میں سے صرف 34 فیصد مزدوروں سے سوالات ہوئے جن اداروں میں صحت سلامتی کے ضروری آلات موجود تھے ان کی تعداد 67 فیصد، جن اداروں میں ماضی میں حادثات رونما ہوئے ان کی تعداد 33 فیصد جبکہ جن اداروں امیں میڈیکل چیک اپ ہوتا ہے وہ 35 فیصد ہیں

6- جنسی ہراساں کرنے کے واقعات 27 فیصد یونٹوں میں رپورٹ ہوئے ہیں۔ 33 فیصد نے تصدیق کی ہے کہ ملازمت دیتے وقت صنفی امتیاز کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ صرف 37 فیصد صورتوں میں زچگی کی قانونی رخصت دی جاتی ہے جبکہ صرف 18 فیصد اداروں میں ڈے کیر سینٹر کی سہولت موجود ہے۔ 61 فیصد نے رپورٹ کیا ہے کہ تنخواہوں میں صنفی فرق رکھا جاتا ہے۔

7- مجموعی طور پر 50 فیصد یونٹوں میں روزانہ 18 گھنٹوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ جبکہ صرف ایک چوتھائی اداروں میں دوگنا اوور ٹائم (Double overtime rate) کی ادائیگی ہوتی ہے۔ صرف 69 فیصد اداروں میں طبی رخصت (Medical leave) ملتی ہے۔

8- صرف 65 فیصد اداروں میں کم از کم قانونی اُجرت ملتی ہے۔ جبکہ 60 فیصد اداروں تنخواہیں اور اجرتیں دیر سے ملتی ہیں۔

سروے کے نتائج گراف کی شکل میں ذیل میں موجود ہیں۔

گراف 1: سروے میں شامل فیکٹریوں اور ان میں ملازمین کی صوبہ وار تعداد

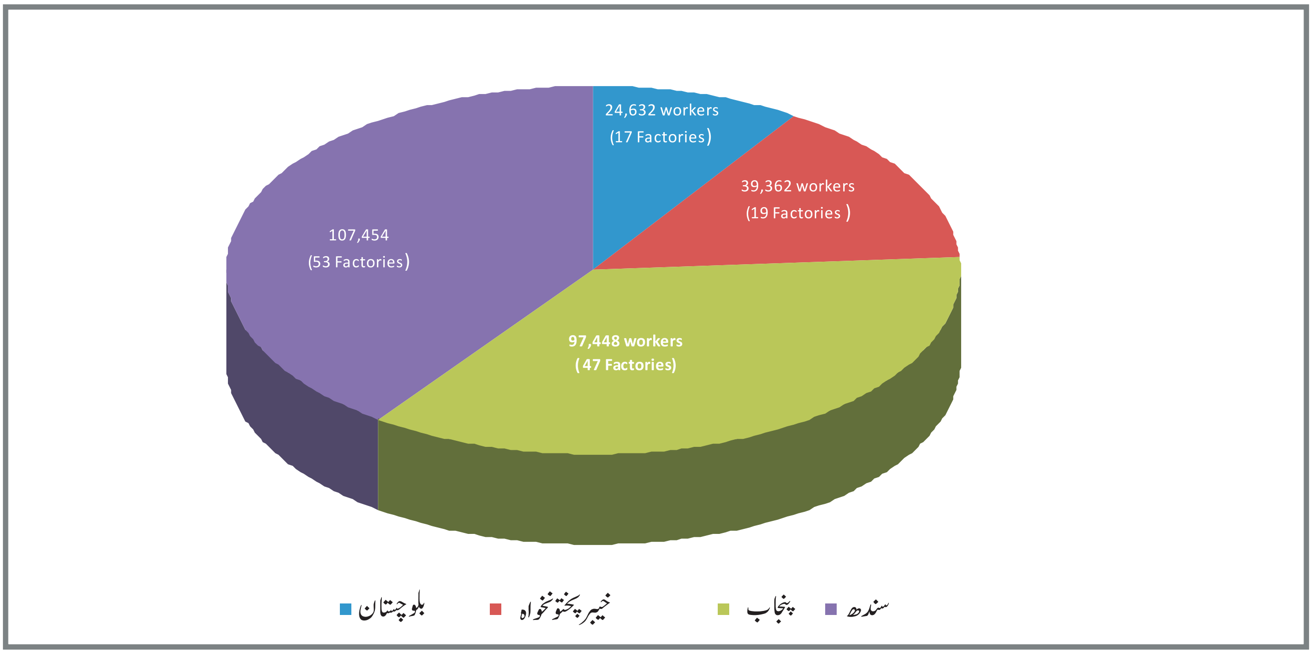

گراف 2: سروے میں شامل صنعتی شعبوں میں ملازمتوں کی صنفی تقسیم

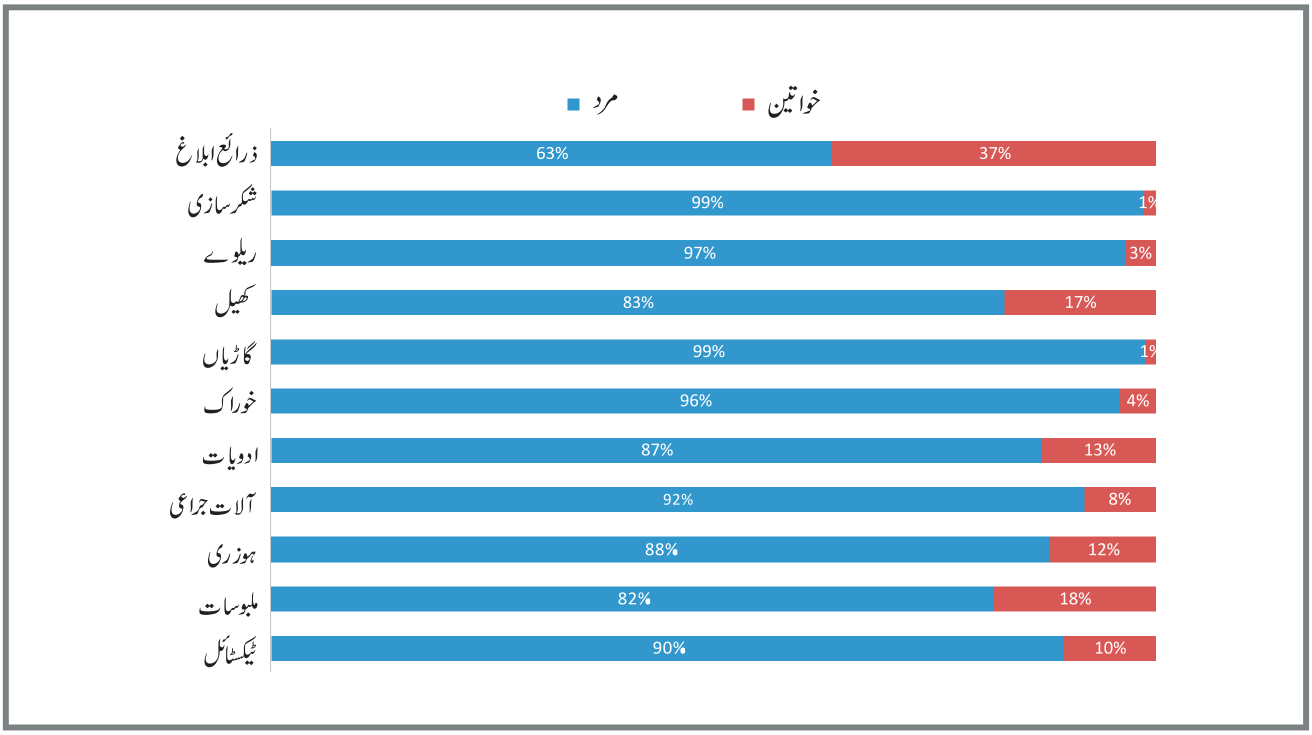

گراف نمبر 3: باروزگار کارکنوں کی ملازمتوں کی مختلف حیثیتوں میں تقسیم

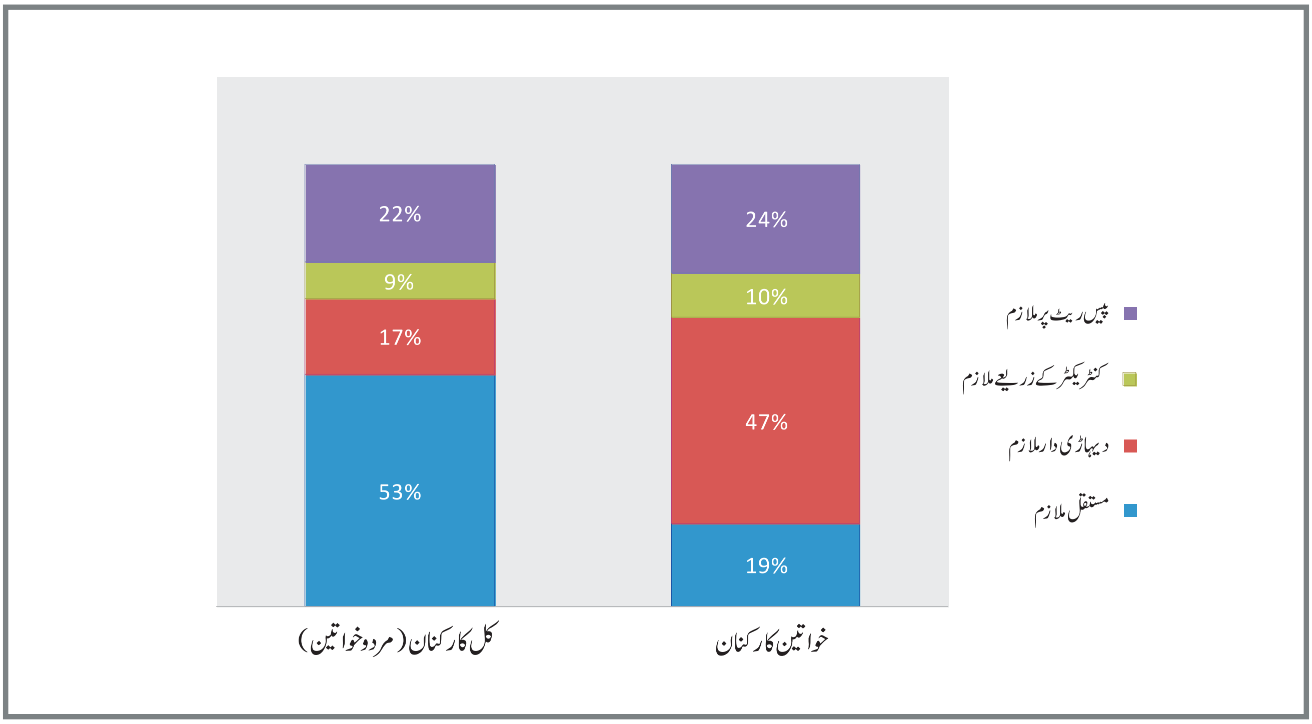

گراف 4: سروے میں شامل باروزگار کارکنوں کی تحفظ ملازمت سوشل سیکورٹی اور EOBI میں رجسٹریشن کی صورتحال

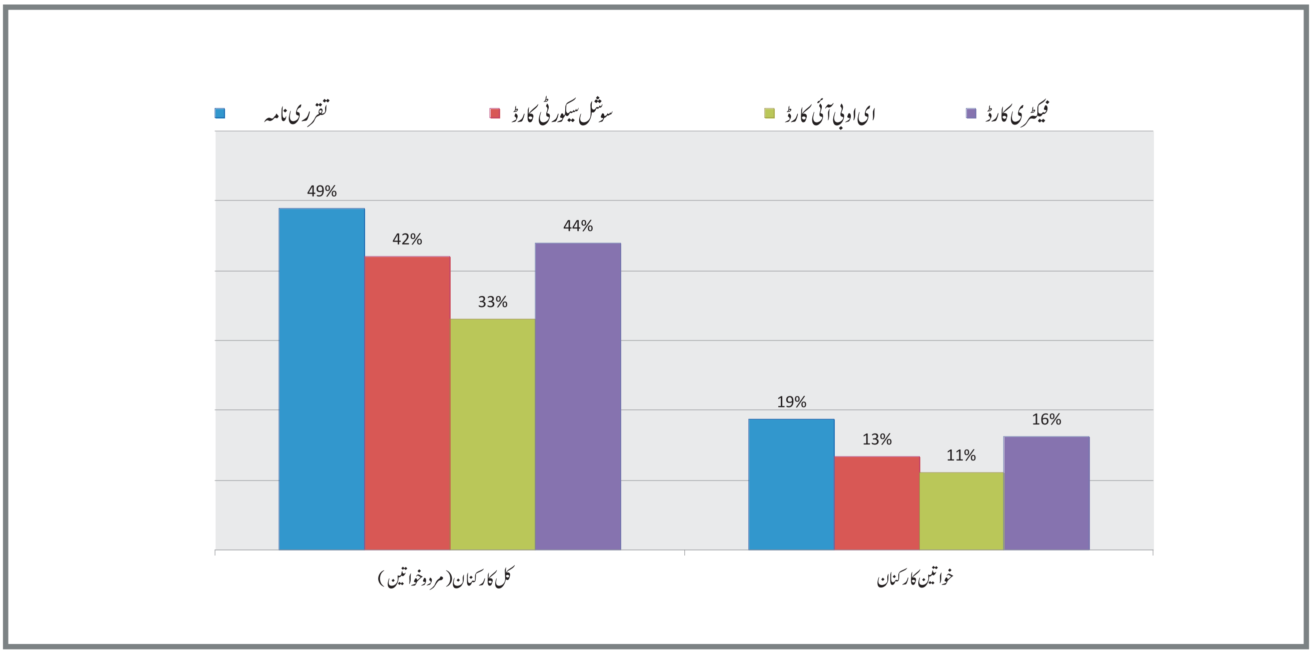

گراف نمبر 5: فیکٹریوں میں ٹریڈ یونین کی صورتحال

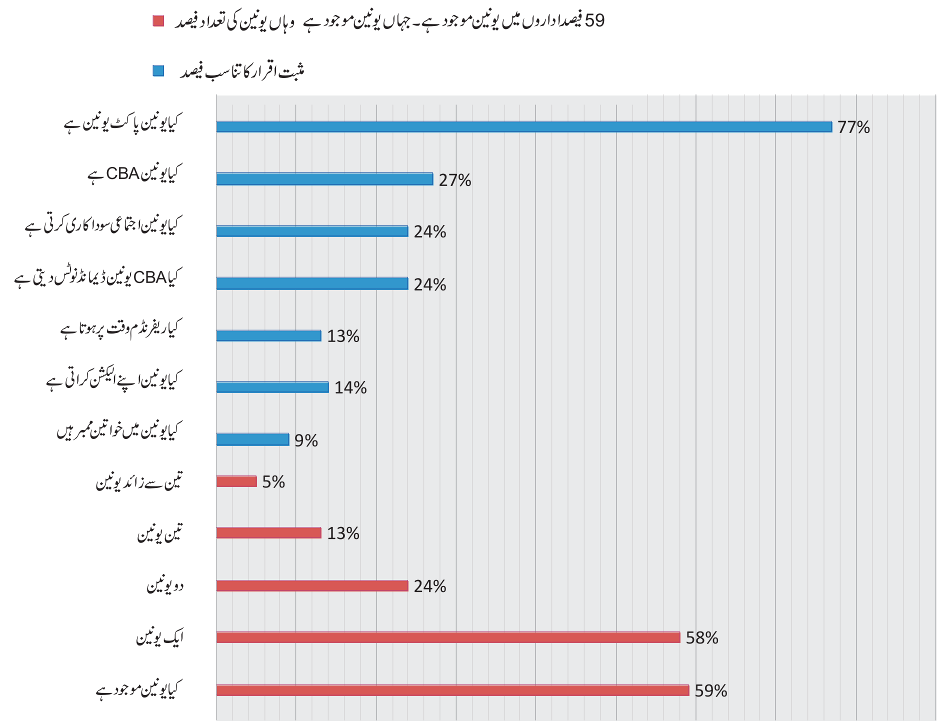

گراف نمبر 6: لیبر انسپکشن کی صورتحال

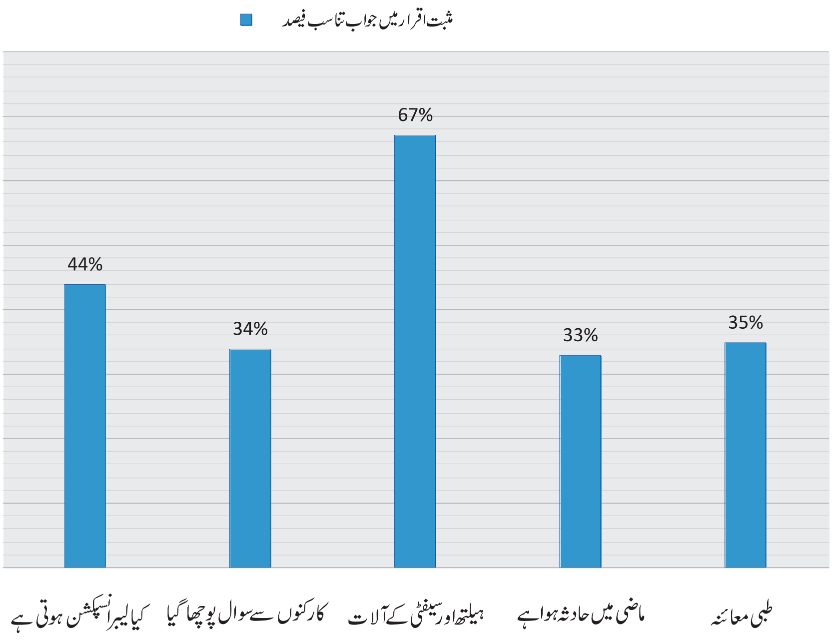

گراف نمبر 7: ملازمتوں کے فوائد

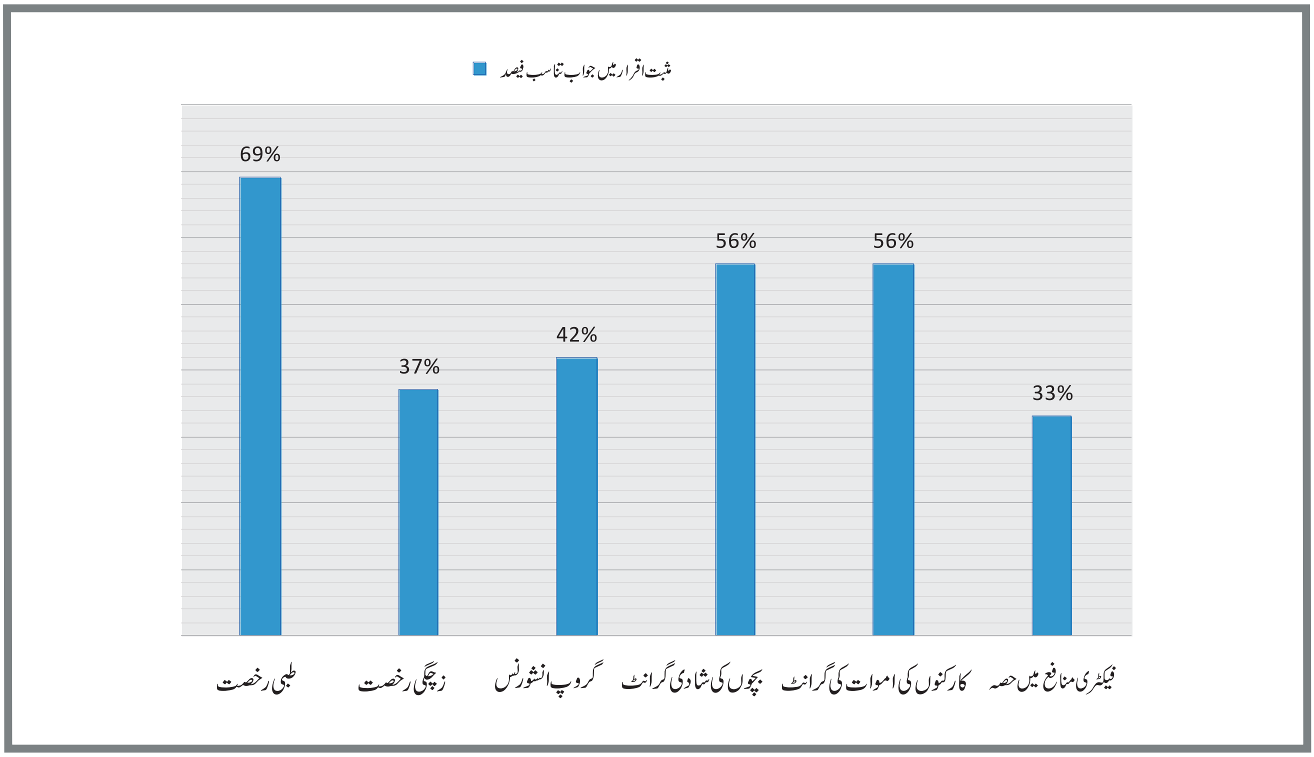

گراف نمبر 8: فیکٹری کی سہولیات

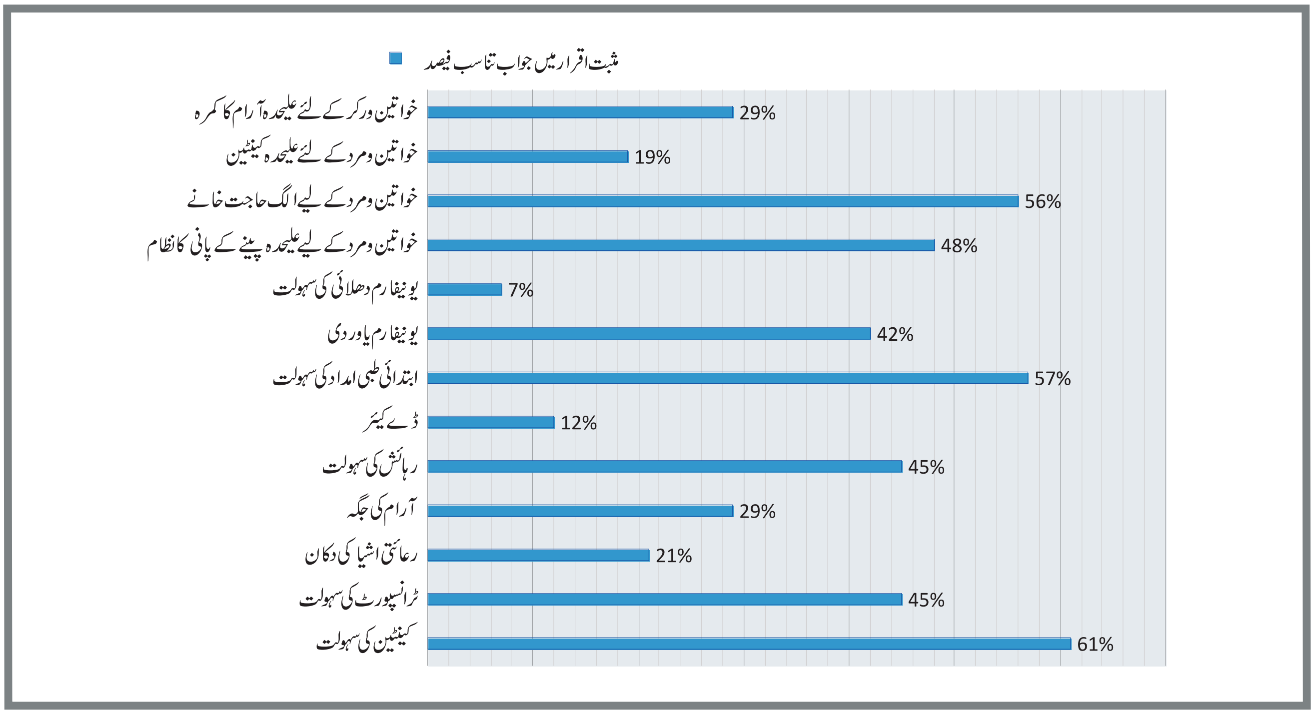

گراف نمبر 9: روزانہ کام کے اوقات

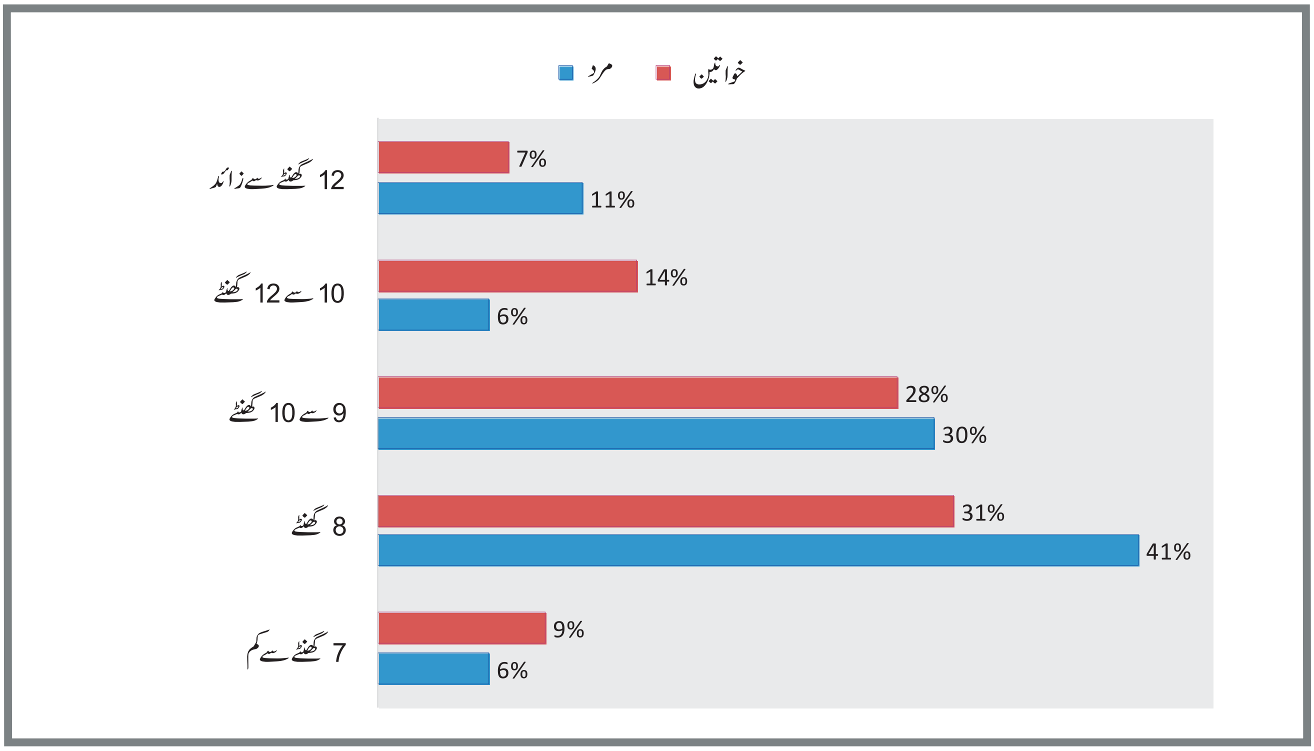

گراف نمبر 10: اجرتوں اور زائد وقت (Overtime) کام کی آدائیگی

باب 8 : روزگار کے سماجی تحفظ و بہبود کے ادارے

پاکستان میں صنعتی اور تجارتی اداروں کے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے تین اہم ترین ادارے موجود ہیں۔ جن پر محنت کشوں کی زندگی کا بہت زیادہ دارومدار ہے۔ جن میں سے ایک ایمپلائیز سوشل سیکیورٹی انسٹی ٹیوشن ہے جو کہ صوبائی حکومتوں کے کنٹرول میں ہے اور بنیادی طور پر مزدوروں اور ان کے خاندان کی صحت کا خیال رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ کام پر کوئی حادثہ چوٹ لگنے کی وجہ سے زخمی ہو جانے اور دیگر پیشہ ورانہ بیماریوں کے علاج کے لئے یہ ادارہ اہم ترین کام کرتا ہے اور مزدوروں کو اس قابل رکھتا ہے کہ وہ مسلسل محنت کر سکیں اور ساتھ ہی مزدوروں کے اہل خانہ کے لئے بھی صحت کی سہولیات مہیا کرنے کا ضامن ہے، جبکہ ورکرز ویلفیئر فنڈ مزدوروں کے لئے رہائشی کالونیوں، فلیٹس کی تعمیر، میرج گرانٹ، ڈیتھ گرانٹ مزدوروں کے بچوں کے لئے مفت معیاری تعلیم کے سکولوں کو چلانے، ٹیلنٹ سکالرشپس مہیا کرنے اور اسی طرح کی دیگر ضروریات کو پورا کرنے میں اہم کردار کا حامل ہے اور ای او بی آئی کا ادارہ مزدوروں کو ریٹائرمنٹ کے بعد یا بیوگان کو بڑھاپے کی پنشن کی ادائیگی کے لئے ذمہ داریاں پوری کرنے والا اہم ادارہ ہے۔ ان تمام اداروں کی آمدن کا بنیادی ذمہ آجروں اور مزدوروں کی طرف سے ادا کردہ فنڈز ہیں۔ جو آجر مزدوروں کے ایما پر یا مزدور براہ راست ادا کرتے ہیں اس کا اصولی مطلب یہی ہے کہ آجر اور مزدور ان اداروں کے حقیقی مالک یا اسٹیک ہولڈرز ہیں اور حکومت ان اداروں کو چلانے کے لئے ایک سہولت کار کا کردار ادا کرتی ہے۔ ذیل میں ہم ان تینوں اہم اداروں کا احوال بیان کر رہے ہیں۔

ایمپلائز اولڈ ایج بینی فٹس انسٹیٹیوشن (EOBI)

یہ ادارہ 1976ء میں قائم کیا گیا یہ ادارہ بنیادی طور پر رجسٹرڈ صنعتی کارکنوں کو بڑھاپے کی پنشن کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور خدانخواستہ وفات پا جانے کے بعد ان کی بیوگان اور بچوں کو پنشن ادا کرتا ہے۔ جس بھی صنعتی یا تجارتی ادارہ میں پانچ یا اس سے زائد کارکن کام کرتے ہوں ان پر اس ادارہ کا اطلاق ہوتا ہے اور ایسے کارکنوں کی رجسٹریشن اس کا بنیادی فرض ہے۔ البتہ اگر پانچ سے کم کارکنوں والا کوئی ادارہ رضا کارانہ طور پر اس کا اطلاق کروانا چاہے تو وہ درخواست دے کر اس کا ممبر بن سکتا ہے، پھر رجسٹرڈ کارکن کی کم از کم تنخواہ کا پانچ فیصد حصہ آجر سے وصول کیا جاتا ہے جبکہ تنخواہ کا ایک فیصد حصہ کارکنوں کی تنخواہوں سے کاٹ کر ادا کیا جاتا ہے۔ یہی اسی ادارہ کی آمدن کے بنیادی ذرائع ہیں اگرچہ اس کے آرڈیننس کی رو سے حکومت بھی اس ادارہ کو میچنگ گرانٹ دینے کی پابند ہے لیکن بدقسمتی حکومت نے یہ ذمہ داری کبھی پوری نہیں کی۔ 60 سال کے مرد کارکن یا 55 سال کی خاتون کارکن کے حوالے سے یہ فنڈز قابل ادائیگی نہیں ہیں۔

ہر مرد کارکن 60 سال کی عمر کے بعد اور ہر خاتون کارکن 55 سال کی عمر کے بعد ادارہ سے پنشن کی وصولی کے حقدار ہوتے ہیں۔ البتہ مائن ورکرز کے لئے بھی یہ حد 55 سال ہی مقرر کی گئی ہے۔ اس وقت ایمپلائز اولڈ ایج انسٹیٹیوشن میں رجسٹرڈ کارکنوں کی صورت حال جدول 8.1 میں درج ہے

جدول 8.1: EOBI میں رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد

علاقے	دسمبر 2013ء تک رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	جون 2015ء تک رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد
صوبہ سندھ	2,175,700	2,418,691
صوبہ پنجاب	2,952,718	3,272,133
صوبہ پختونخواہ	352,712	380,004
صوبہ بلوچستان	106,173	113,262
گلگت بلتستان	5,784	8,019
اسلام آباد	247,343	286,363
ٹوٹل	5,840430	6,478,472

1976ء سے لے کر 30 اپریل 2014ء تک ای او بی آئی نے کل رقوم جو اکھٹی کی ہیں ان کی تفصیل جدول 8-2 میں درج ہے۔

جدول 8.2: 1976 سے اپریل 2014 تک EOBI فنڈ میں جمع ہونے والی رقوم کی علاقہ وار تفصیل۔

صوبے/علاقے	رقم (ملین میں)	تناسب (فیصد)
پنجاب	42,410	49.10
سندھ	32,460	37.58
خیبر پختونخواہ	4,315	5.0
بلوچستان	1,479	1.71
اسلام آباد	5,508	6.38
گلگت بلتستان	0,198	0.23

یادرہے کہ ای او بی آئی کا اطلاق ہر اس صنعتی اور تجارتی ادارہ پر ہوتا ہے جہاں 5 یا اس سے زائد کارکن کام کرتے ہوں خواہ براہ راست کسی آجر کے ملازم ہوں یا بالواسطہ کسی تیسری پارٹی کے ذریعے کام کرتے ہوں اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور اگر یہ ادارہ واقعی ان تمام کارکنوں کو لازمی رجسٹرڈ کرے تو یقیناً ان کی تعداد کروڑوں میں ہو اور اس طرح ادارے کی آمدن میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جبکہ وہ لاکھوں مزدور جو اس کی رجسٹریشن کے حقدار ہو کر بھی اس کی سہولیات سے محروم ہیں ان کی محرومی کا بھی ازالہ ہو سکے۔ بدقسمتی سے محکمہ کے کارندے آجروں سے ساز باز کر کے ذاتی سودا بازی کر لیتے ہیں اور مزدوروں کو رجسٹرڈ نہ کر کے ان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

ویسے تو ای او بی آئی میں کرپشن کی داستانیں اخبارات اور میڈیا کی زینت بنتی رہی ہیں لیکن گزشتہ مخلوط حکومت کے دور میں تو اس ادارہ میں لوٹ مار اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے اس عرصہ میں 34,293 بلین روپے کی 18 جائیدادیں خریدی گئیں اور ان کو اصلی قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت پر خریدا گیا اور اس خرید وفروخت میں بھاری کمیشن اور کک بیکس وصول کی گئیں۔ اسی طرح بعض عمارات اور ہوٹلز وغیرہ کی تعمیر کے ٹھیکے من پسند افراد کو مارکیٹ سے مہنگے داموں پر دیئے گئے اور اس طرح اس عرصہ میں کل ملا کر اربوں ارب روپے کے گھپلے کئے گئے۔

اگرچہ سپریم کورٹ نے ان بدعنوانیوں کا ازخود نوٹس لے کر غریب اور نادار ریٹائرڈ ورکرز اور بیواؤں کی اس امانت میں خیانت کا مقدمہ اپنے ذمہ لیا ہے اور لوٹی گئی رقم کی ریکوری کا عزم کیا ہے، لیکن ابھی تک مقدمہ زیرِ التوا ہے اور کسی بھی کرپٹ ملزم کو کوئی عبرتناک سزا نہیں ہوئی اور نہ ہی ای او بی آئی کے ان کارندوں کے پیچھے حکومتی اعلیٰ ترین عہدوں پر براجمان رہنے والے ان لوگوں کو بے نقاب کیا ہے جنہوں نے ان کارندوں کے ذریعے لوٹ مار میں حصہ وصول کیا۔ سپریم کورٹ کے لئے اتنی بڑی رقم کی ریکوری ایک بہت بڑا امتحان اور کارنامہ ہو گا جس کو محنت کش ہمیشہ یاد رکھیں گے اور یہ امر بذات خود عدلیہ کے وقار میں مزید اضافہ کا سبب بنے گا۔

یہاں یہ امر خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ ان 34,293 بلین روپے کی جائیدادوں میں سے 22,568 بلین روپے کی جائیدادیں صرف ایک پارٹی یعنی ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی سے خریدی گئی ہیں۔

اس وقت ای او بی آئی میں 14 پروجیکٹس زیر تعمیر ہیں یا جن پر کام جاری ہے ان کی لاگت کا تخمینہ 18,527 ملین روپے ہے جن میں سے 5 بڑے پروجیکٹس کا تخمینہ 17,465 ملین روپے ہے جبکہ باقی پروجیکٹس کا تخمینہ 1,062 ملین روپے ہے۔ ان منصوبوں پر ابھی تک 8,368 ملین روپے خرچ ہو چکے ہیں جو کہ کل ممکنہ اخراجات کا 45,17 فیصد ہے۔ ان 14 پروجیکٹس کی زمینیں 1985-2009ء کے دوران خریدی گئی تھیں جن کی لاگت 1,494 ملین تھی اور ان کی 2012 میں ممکنہ مارکیٹ ویلیو (قیمت) 5,930 ملین روپے ہے۔ اس طرح ان پروجیکٹس میں ای او بی آئی کے 14,298 ملین روپے پھنسے ہوئے ہیں۔ 2012-13 اور 2013-14ء میں ای او بی آئی کو جو مختلف اثاثوں سے آمدن ہوئی اس کی تفصیل جدول 8.3 میں درج ہے۔

جدول 8.3: 2012-13 اور 2013-14ء میں ای او بی آئی کو مختلف اثاثوں سے آمدن کی تفصیل

اثاثے	2013-14ء	2012-13ء	اضافہ فیصد
ایکوئیٹیز (Equitties)	14,783 ملین	12,701 ملین	16 فیصد اضافہ
فکسڈ آمدن	19,40 ملین	16.49 ملین	18 فیصد اضافہ
کرایوں کی مد میں آمدن	0,2 ملین	0.19 ملین	5.4 فیصد اضافہ
ٹوٹل	34,37 ملین	29.38 ملین	17 فیصد اضافہ

ادارہ میں انتظامی اخراجات بھی کافی ہیں حالانکہ بیشتر عمارتیں اور آفس ادارہ کی اپنی ملکیتی بلڈنگز میں ہیں۔ 2012-13ء میں انتظامی اخراجات 37,53.843 ملین تھے جبکہ 2013-14ء میں یہ اخراجات 44,30.340 ملین تھے۔

یہ امر قابل تشویش ہے کہ ای او بی آئی میں ابھی تک فنڈز کی وصولی کارکنوں کی 8000 روپے ماہوار تنخواہ کی بنیاد پر ہو رہی ہے حالانکہ گزشتہ سالوں میں کم از کم تنخواہ 10 ہزار 12 ہزار اور اب 13 ہزار روپے تک مقرر ہو چکی ہے۔ اس طرح یہ ادارہ بہت بڑی آمدن سے بلاوجہ محروم ہے۔ اس ادارہ میں درج ذیل اصلاحات اور اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔

اصلاحات / تجاویز

1- 18 ویں آئینی ترمیم کے بعد یہ ادارہ ایک طرح سے منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ مرکزی حکومت اس ادارہ کے حوالے سے قانون سازی سے گریزاں ہے جبکہ صوبائی حکومتوں میں سے سندھ اور پنجاب کی حکومتیں اس کو صوبائی حکومتوں کے سپرد کرنے کی خواہشمند ہیں۔ حکومت سندھ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی سرگرم ہے اور اس نے اس بارے میں نئی آئین سازی بھی کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کی آمدن جو کہ کم از کم 13 ہزار روپے کی تنخواہ کا چھ فیصد ہونا چاہئے تھا وہ 8000 روپے تنخواہ کی بنیاد پر منجمد ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں مل کر کونسل آف کامن انٹریسٹ (CCI) کے فورم پر اس بارے میں کسی حتمی قابل عمل حل کی طرف بڑھیں اور اس بارے میں مزدوروں کے مفادات اور ان کی تجاویز کو بھی مدنظر رکھیں۔ 18ویں آئینی ترمیم 2010ء میں ہوئی تھی لیکن اتنے عرصہ میں اس ادارے کے بارے میں حتمی فیصلہ نہ ہونا سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں کی عدم دلچسپی کا اظہار ہے۔ جو انتہائی قابل تشویش ہے اور ادارہ کو خواہ مخواہ بھاری مالی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس ادارہ میں ابھی بے شمار مزید کارکنوں کو رجسٹرڈ کرنے کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس بارے میں کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ محکمے کے کارندے آجروں سے ذاتی سودا بازی کر کے حقدار کارکنوں کو رجسٹریشن سے محروم رکھ کر ان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں اور یوں لاکھوں مزدور اس ادارہ کی سہولتوں کے حصول میں ناکام ہیں۔ اس ادارہ کو لازمی طور پر تمام حقدار کارکنوں کی رجسٹریشن کو یقینی بنانا چاہئے اور اس امر کا بھی خیال رہے کہ رجسٹرڈ مزدوروں کو لازمی طور پر رجسٹریشن کارڈ وصول ہوں۔

2- چونکہ یہ ادارہ مزدوروں کے مفاد میں آجروں اور کارکنوں کے فنڈز سے قائم و دائم ہے اور حکومت اس ادارہ میں محض سہولت کار (ریگولیٹری باڈی) کا فرض سرانجام دے رہی ہے۔ اس لئے اس ادارہ پر حکومت کا قطعی اور فیصلہ کن کنٹرول اس ادارہ کے نقصان اور تنزلی کا باعث بن رہا ہے۔ اس ادارہ کی سب سے بڑی اور بااختیار باڈی BOT (بورڈ آف ٹرسٹیز) ہے۔ اس ادارہ میں آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں کی شرح 40,40 فیصد جبکہ حکومت کی نمائندگی 20 فیصد ہونی چاہئے اور ادارہ کی چیئرمین شپ آجروں اور اجیر کے نمائندوں میں باری باری تقسیم ہونی چاہئے۔ BOT کے لئے ارکان کی نامزدگی کا اختیار آجر اور اجیر کی نمائندہ تنظیموں کو ہونا چاہئے اور حکومت کے یہ صوابدیدی اختیارات لازمی طور پر ختم ہوں کیونکہ ہر حکومت اپنے سیاسی حمایتوں کو نوازنے کے لئے ان کو نامزد کر لیتی ہے اور پھر ان سے اپنی مرضی سے بنائے گئے منصوبوں پر انگوٹھے لگوا لئے جاتے ہیں جس سے ادارہ میں کرپشن اور بدعنوانی کے دروازے کھلتے ہیں۔

3- تمام سیاسی پارٹیاں اور حکومتیں زبانی اور تحریری طور پر اس امر کو مانتے ہیں کہ مزدور اس ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں لیکن ای او بی آئی کے فنڈز میں میچنگ گرانٹ دینے میں ہر حکومت نے مکمل کنجوسی کا اظہار کیا ہے اور محنت کشوں کے دوررس مفادات سے روگردانی کی ہے۔ اگر ہم دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی پنشن کا ای او بی آئی کی پنشن سے موازنہ کریں تو یہ کوئی مقابلہ ہی نہیں بنتا اور اگر اس معمولی پنشن کے مسلسل جاری رہنے پر شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہوں تو یہ صورت حال مزدور تنظیموں اور مزدوروں کے لئے انتہائی پریشان کن ہے۔

4- ای او بی آئی کے بارے میں سپریم کورٹ کو بھی جلد از جلد فیصلہ کرنا چاہئے اور لوٹ مار کے ذمہ دار عناصر کو عبرتناک سزا دے کر لوٹی گئی رقوم کی ریکوری کو یقینی بنانا چاہئے اور مجرم خواہ جتنے بھی بااثر کیوں نہ ہوں ان سے ہر صورت میں ریٹائرڈ کارکنان اور بیوگان کی یہ رقوم وصول کرنی چاہئیں۔

5- ادارہ میں تمام ملازمین کی بھرتی صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر ہونی چاہئے اور سیاسی و گروہی مفادات کے تحت لوگوں کو نوازنے سے مکمل گریز کی ضرورت ہے۔

6- ادارہ کی رقوم کی سرمایہ کاری بہت سوچ بچار کے بعد شفاف طریقے سے صرف محفوظ پروجیکٹس میں کی جائے جہاں رقم ڈوبنے کا احتمال نہ ہو۔

7- ادارہ کی اپنے تمام تر اکاؤنٹس کی آڈٹ رپورٹ تمام رجسٹرڈ لیبر فیڈریشنز اور ایمپلائرز فیڈریشن کو ارسال کرنی چاہئے تاکہ تمام اسٹیک ہولڈرز ادارہ کی مالی حالت سے باخبر رہیں۔

8- ادارہ میں کارکنوں کی رجسٹریشن کا دائرہ کار غیر رسمی شعبوں اور خود روزگار کارکنوں تک بڑھایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت کش اس ادارہ کی سہولیات سے مستفید ہوسکیں۔

9- کوئی ایسا شکایت سیل بنایا جائے جہاں حقدار کارکن یہ شکایت کر سکیں کہ وہ ای او بی آئی میں رجسٹریشن کے حقدار ہیں اور ان کو جان بوجھ کر نظرانداز کیا گیا ہے اور پھر ان کی اس شکایت کا فوری طور پر ازالہ کیا جائے۔

ایمپلائز سوشل سکیورٹی انسٹیٹیوشن

ایمپلائز سوشل سکیورٹی کا ادارہ 1965ء میں معرض وجود میں آیا تھا۔ جس کا بنیادی مقصد صنعتی و تجارتی اداروں کے کارکنوں اور ان کے خاندان کو علاج معالجہ کی سہولیات مہیا کرنا ہے۔ علاج معالجہ کے دوران چھٹیاں اور ان کی ادائیگی،

معذوری کی شکل میں پنشن، چوٹ لگنے سے زخمی کارکنوں کا علاج اور کسی اعضا کے ضائع ہونے سے نقصان کے مطابق معاوضہ اور اسی طرح کے دیگر مسائل کو ڈیل کرنا ہے۔

سوشل سیکیورٹی کا ہر صوبے میں اپنا اپنا نیٹ ورک ہے جس میں ہسپتال اور ڈسپنسریاں وغیرہ شامل ہیں جبکہ مزدوروں کو ہسپتال تک لے جانے کے لئے ایمبولینس سروس بھی موجود ہے۔

ہر ادارہ جس میں پانچ یا پانچ سے زائد کارکن ہوں ان پر سوشل سیکیورٹی کا اطلاق ہوتا ہے۔ صنعتی اور تجارتی اداروں سے اس وقت پنجاب میں سوشل سیکیورٹی فنڈز کے لئے تنخواہوں کی تین مختلف کیٹیگریز کے حوالے سے فنڈز وصول کئے جا رہے ہیں ان میں 13,000 روپے 15,000 روپے اور 18,000 روپے تنخواہ شامل ہیں ہر آجر کو سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ ورکرز کی تنخواہ کا چھ فیصد محکمہ سوشل سیکیورٹی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

سوشل سیکیورٹی میں رجسٹریشن کی صورتحال جدول 8.4 میں درج ہیں۔ سوشل سیکیورٹی کے بارے میں یہ امور قابل تشویش اور قابل توجہ ہیں۔

ہر وہ صنعتی وتجارتی ادارہ جس میں پانچ یا زائد ورکرز کام کرتے ہوں ان کو ہر قیمت پر سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ ہونا چاہئے۔ اس وقت دیکھا جائے تو جس قدر ورکرز پورے ملک میں صنعتی اور تجارتی اداروں میں ملازم ہیں ان کا بہت کم حصہ سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ ہے پھر اس پر بھی ستم ظریفی یہ ہے کہ محکمہ کی ایک خاموش پالیسی کے تحت جتنے ورکرز رجسٹرڈ ہیں ان تمام کو سوشل سیکیورٹی کارڈز مہیا نہیں کئے گئے اور اس طرح بہت سے ورکرز سوشل سیکیورٹی کی مراعات سے عملاً محروم ہیں۔

تجاویز

1- اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ تمام صنعتی وتجارتی اداروں کے حقدار کارکنوں کو لازماً سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ کیا جائے اور ان کو باضابطہ رجسٹریشن کارڈ مہیا بلکہ وصول کروائے جائیں، کیونکہ ورکرز ویلفیئر فنڈ کی مراعات کے حصول کے لئے کارکن کے پاس سوشل سیکیورٹی کارڈ ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے پاس یہ کارڈ نہ ہوگا تو وہ میرج گرانٹ، ڈیتھ گرانٹ، بچوں کے سکول میں داخلہ، ٹیلنٹ سکالرشپ، ہاؤسنگ کالونیز اور فلیٹس وغیرہ کے حصول کا بھی حقدار نہیں ہوگا۔ جس کا اس کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔

جدول 8.4: سوشل سیکیورٹی میں رجسٹریشن کی صورتحال

سال	2010-11	2011-12	2012-13	2013-14	2014-15
پنجاب					
رجسٹرڈ اداروں کی تعداد	52,592	54,057	55,678	61,169	62,282
رجسٹرڈ ورکرز کی تعداد	7,72,841	8,26,265	8,31,584	8,75,398	9,19,656
رجسٹرڈ ورکرز کے فیملی ممبران	46,36,046	49,57,590	4,989,504	52,52,388	5,517,936
خیبر پختونخواہ					
رجسٹرڈ اداروں کی تعداد	4,255	4,490	4,578	4,756	4,975
رجسٹرڈ ورکرز کی تعداد	50,000	51,000	58,000	60,000	66,000
رجسٹرڈ ورکرز کے فیملی ممبران	30,000	306,000	348,000	360,000	396,000
سندھ					
رجسٹرڈ اداروں کی تعداد	-	-	28,629	29,242	29,753
رجسٹرڈ ورکرز کی تعداد	-	-	672,470	730,164	759,342

رپورٹ کی تیاری تک بلوچستان کے اعداد و شمار دستیاب نہ ہو سکے۔

2- اگر تمام حقدار مزدور باضابطہ رجسٹرڈ ہو جائیں تو سوشل سکیورٹی کی آمدن میں بھی بہت اضافہ ہوگا اور مزید ہسپتال اور ڈسپنسریاں اور دیگر سہولیات مہیا کرنے میں آسانی ہوگی۔

3- اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کسی بھی صورت میں سوشل سکیورٹی ہسپتالوں اور ڈسپنسریز پر جعلی یا گھٹیا معیار کی ادویات مہیا نہ ہو سکیں۔

4- محکمے کے ارکان جو جان بوجھ کر حقدار کارکنان کو محض اس لئے سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ نہیں کرتے کہ وہ آجروں سے ساز باز کر کے اپنی ذاتی سودا بازی کرتے ہیں ان کے احتساب کا کوئی واضح طریقہ کار ہونا چاہئے تاکہ محکمہ سے کرپشن ختم ہو۔ محکمہ کا پبلک میں امیج بہتر ہو اور حقدار مزدور محروم بھی نہ رہیں۔

5- سوشل سکیورٹی کی گورننگ باڈی میں آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں کا تناسب زیادہ ہونا چاہئے آجر نمائندے 40 فیصد، مزدوروں کے نمائندے 40 فیصد اور حکومتی ارکان صرف 20 فیصد ہوں اور چیئر مین لازمی آجر اور ورکرز کے نمائندوں میں سے ہو جو باری باری تبدیل ہوں۔

6- صوبائی حکومتوں کا یہ صوابدیدی اختیار ختم ہونا لازمی ہے جس کے تحت وہ من مرضی سے اپنے سیاسی ورکرز کو نوازنے کے لئے ان کو گورننگ باڈی کا ممبر بنا دیتے ہیں اس کے برخلاف یہ حق فیڈریشنز اور ایمپلائر فیڈریشن کا ہے کہ وہ خود اپنے بہترین نمائندے گورننگ باڈی کے لئے بھیجیں۔

7- سوشل سکیورٹی کا دائرہ کار غیر رسمی شعبوں تک بڑھانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس میں ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز، زرعی سیکٹر سے منسلک کارکن بھی رجسٹریشن حاصل کر سکیں اس بارے میں سہ فریقی کمیٹیوں میں پالیسی بنانے کی ضرورت ہے تاکہ اس کا طریقہ کار طے کیا جا سکے۔
اسی طرح خود روزگار کارکنان کو بھی سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کا حق ہونا چاہئے تاکہ اگر وہ فنڈز ادا کریں تو سوشل سکیورٹی سے سہولیات بھی حاصل کر سکیں۔

8- کوئی ایسا شکایت سیل بنایا جائے جہاں سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کے حقدار کارکن رجسٹرڈ نہ کئے جانے کی شکایت کر سکیں اور پھر ان کی شکایت کے ازالہ کا کوئی میکنزم تیار کیا جائے۔

ورکرز ویلفیئر فنڈ

ورکرز ویلفیئر فنڈ کا قیام 1971ء میں ہوا۔ ورکرز ویلفیئر فنڈ کی آمدن کے دو ذرائع ہیں۔ نمبر 1 جن اداروں میں منافع ہوتا ہے ان کو اپنے منافع کا دو فیصد ورکرز ویلفیئر فنڈ میں جمع کرانا ہوتا ہے، 2- صنعتی اداروں میں منافع کا 5 فیصد مزدوروں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، لیکن اس آرڈیننس کے تحت صنعتی اداروں کو پابند کر دیا گیا ہے کہ کارکنوں میں 5 فیصد منافع کی تمام رقم تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ ایک فارمولے کے تحت کارکنوں کو ایک حد تک رقم ملے گی۔ باقی تمام رقم ورکرز ویلفیئر فنڈ میں چلی جائے گی۔ اس ادارہ میں مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے کھربوں روپے جمع ہیں، لیکن اس کے فنڈ پر بھی حکومت اور افسر شاہی کا مکمل قبضہ ہے، حالانکہ یہ تمام رقم آجروں کی طرف سے اپنے ورکرز کی فلاح و بہبود کے لئے ادا کی گئی ہے۔ اس ادارہ میں بھی بدعنوانی اور بدانتظامی کی کئی داستانیں گردش کرتی رہی ہیں۔ بعض وزراء اپنے انتخابی حلقے کے لئے اس فنڈز سے رقوم استعمال کرتے رہے ہیں، حالانکہ قانونی طور پر یہ رقم صرف اور صرف رجسٹرڈ صنعتی و تجارتی اداروں کے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہے۔

یہ ادارہ مزدوروں کے لئے ہاؤسنگ کالونیز، پلاٹس، مکانات، فلیٹس وغیرہ کی تعمیرات کرواتا ہے۔ مزدوروں کو بچیوں کی شادی کیلئے جہیز گرانٹ، خدانخواستہ موت کی صورت مں ڈیتھ گرانٹ، بچوں کے سکول میں پڑھائی کے لئے تمام اخراجات، ٹیلنٹ سکالرشپ اور دوسری مراعات مہیا کرتا ہے۔ ایک وقت میں سائیکل اور سلائی مشینیں بھی مہیا کی جاتی تھیں جواب بند کر دی گئی ہیں۔

اس ادارے میں بھی بے ضابطگیوں اور بدعنوانیوں کی شکایات اکثر سننے میں آتی ہیں۔ جن میں لیبر کالونیز کے لئے مارکیٹ ویلیو سے زائد پر زمین کی خریداری، کالونیز کی تعمیر میں من پسند ٹھیکیداروں کو نوازنے وغیرہ جیسے عوامل شامل ہیں۔ صوبائی سطح پر اس کے ورکرز ویلفیئر بورڈز موجود ہیں اور صوبائی سطح پر تمام سکیمیں صوبائی بورڈز تیار کرتے ہیں جن میں کالونیز، سکول، یونیورسٹیز وغیرہ شامل ہیں اور ان کا کنٹرول بھی صوبائی بورڈز کے پاس ہے اگرچہ اس کے تمام تر اخراجات اور رقوم مرکز سے صوبوں کو منتقل ہوتے ہیں۔

پنجاب ورکرز بورڈ کے تحت رائے ونڈ روڈ پر 185 ایکڑ رقبہ پر بہت خوبصورت یونیورسٹی طرز کی عمارت کی تعمیر کی گئی ہے جس کی آج مارکیٹ ویلیو کھربوں ہوگی، لیکن اس یونیورسٹی کو اپنے تحت چلانے کے بجائے پنجاب ورکرز ویلفیئر بورڈ نے اس کو 22 سال کی لیز پر Comsat کے حوالے کردیا ہے جو بعض شرائط کے تحت 30 فیصد ورکرز کے بچوں کو مفت تعلیم دیتا ہے، جبکہ باقی ماندہ تمام مضامین پرائیویٹ طلباء کو داخل کر کے کروڑوں روپے کا بزنس کررہا ہے۔ اصولی طور پر اس ادارہ کو ورکرز ویلفیئر بورڈ پنجاب کو خود چلانا چاہئے تھا۔ اس پر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی ادارہ کے اندر ورچوئیل یونیورسٹی کئی سالوں سے قائم ہے، لیکن اس کا نہ تو پنجاب بورڈ سے کوئی معاہدہ ہے اور نہ ہی وہ ورکرز کے بچوں کو داخلہ دینے کی پابند ہے جب بورڈ کے ذمہ داران سے پوچھا جائے تو اس کا کوئی جواب کسی کے پاس نہیں ہے آخر ورچوئیل یونیورسٹی کن شرائط کے تحت بورڈ کے ادارہ کے اندر اپنا بزنس چلا رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے مقتدر حلقے اور افسر شاہی مزدوروں کے اس فنڈ اور ملکیت کے بارے میں کس قدر حساس ہیں اور مزدوروں اور فنڈز کے مفادات کے تحفظ میں کتنے سنجیدہ ہیں۔

اس ادارہ میں بھی مکمل شفافیت کے لئے درج ذیل اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔

تجاویز

1- اس ادارہ کی گورننگ باڈی پر بھی حکومتی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے اور چونکہ اس کی تمام آمدن کا انحصار آجر کی طرف سے مزدوروں کے لئے ادا کردہ فنڈ پر ہے اس لئے اس کی گورننگ باڈی میں بھی آجروں اور مزدوروں کے 40,40 فیصد نمائندے اور حکومت کی طرف سے 20 فیصد نمائندے ہونے چاہئیں۔

2- مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا یہ صوابدیدی کا اختیار کہ ورکرز اور آجروں کے نمائندے بھی وہ اپنی مرضی سے چن لیں ختم ہونا چاہئے اور صرف مسلمہ لیبر فیڈریشنز اور ایمپلائرز فیڈریشن کو اپنے نمائندے خود اس گورننگ باڈی میں بھیجنے کا اختیار ہوتا کہ وہ آزادانہ طور پر ادارہ کی بہتری کے لئے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

3- اس ادارہ کے تمام معاملات میں مکمل شفافیت لانے کی ضرورت ہے اور ہر سال آڈٹ رپورٹ کے ساتھ آمدن و اخراجات کی تمام تفصیل تمام لیبر فیڈریشنز اور ایمپلائرز فیڈریشن کو مہیا کی جانی چاہئیں۔

4- لیبر کالونیز، صنعتی علاقوں اور بڑے شہروں میں تعمیر کی جائیں تاکہ مزدوروں کے لئے ان میں رہائش زیادہ فائدہ مند اور آسان ہو۔

5- ان کالونیز کی تعمیر کا ٹھیکہ شفاف طریقے سے دیا جانا چاہئے، تاکہ مکانات کی تعمیر کا معیار بلند رہے اور مناسب اخراجات میں تعمیر ہو سکیں۔

6- اس ادارہ کا دائرہ کار بھی غیر رسمی شعبوں ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز، زرعی سیکٹر اور دیگر غیر رسمی شعبوں تک بڑھایا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت کش ان سہولیات سے مستفید ہو سکیں۔ البتہ یہ امر سہ فریقی کمیٹیوں میں طے کیا جائے کہ ان کو اس دائرہ کار میں کس طرح لایا جا سکتا ہے۔

7- میرج گرانٹ، ڈیتھ گرانٹ سکالرشپ اور دیگر ادائیگیوں میں سال ہا سال تک تاخیر سے کارکنوں میں اشتعال اور مایوسی پھیلتی ہے۔ اس کا لازمی تدارک کیا جائے اور کسی بھی کلیم کی تین ماہ کے اندر اندر لازمی ادائیگیاں ہو جانی چاہئیں۔

باب 9 : پاکستان میں مزدور عدلیہ اور حصول انصاف کا چیلنج

پاکستان میں انصاف کا حصول ایک کٹھن کام اور تھکا دینے والا عمل ہے۔ حصول انصاف کے لئے سال ہا سال تک عدالتوں اور کچہریوں میں دھکے کھانے پڑتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت حاضریوں اور پیشیوں پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ اوپر سے وکلاء کی مہنگی فیسیں اور قدم قدم پر مختلف قسم کے اخراجات انصاف کے متمنی سائیلین کو مالی طور پر تباہ کرکے رکھ دیتے ہیں۔ البتہ حکمران اشرافیہ اور مالدار لوگوں کو یہ عدالتی نظام بہت راس آتا ہے، کیونکہ موجودہ سماجی و معاشی ڈھانچے میں یہ قانون ان کے مفادات کا محافظ ہے اور اب تو چیف جسٹس تک کو یہاں تک کہنا پڑا ہے کہ ہمارا ملکی قانون مالدار، امیر اور رؤسا کے ساتھ مختلف اور غریبوں، مزدوروں اور مفلسوں کے ساتھ مختلف برتاؤ کرتا ہے۔ مالدار اور حکمرانوں کے لئے قانون مکڑی کا جالا جبکہ غریبوں کے لئے گلے کا پھندا بن جاتا ہے۔ حال ہی میں ریٹائر ہونے والے چیف جسٹس نے اپنی الوداعی تقریر میں سرعام تسلیم کیا ہے کہ ہمارا عدالتی نظام پاکستانی شہریوں کو انصاف مہیا کرنے میں بری طرح ناکام ہوگیا ہے اور ججز وکلاء اور انتظامیہ اس عدالتی نظام کی تباہی کے مشترکہ طور پر ذمہ دار ہیں۔ اس وقت 18 لاکھ سے زائد مقدمات زیر التواء ہیں۔ عام شہری حصول انصاف کی اس قدر تاخیر سے انتہائی بددل اور مایوس ہیں، کیونکہ یہ ان کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ معمولی معمولی مقدمات سال ہا سال تک معرض التواء میں رہتے ہیں اور فریقین عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹا کر پچھتاوے کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ مالکان اور فیکٹری انتظامیہ کے مقابلے میں مزدور ایک کمزور فریق ہیں۔ جہاں پر یونین موجود ہو تو وہاں پھر بھی مزدوروں میں خوداعتمادی اور اپنے قانونی حق کے لئے جدوجہد کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور کچھ اجتماعی وسائل بھی ہوتے ہیں، لیکن زیادہ تر اداروں میں یونینز موجود ہی نہیں ہیں اس لئے ان اداروں کے مزدور تنہا کسی صورت میں مقدمہ بازی اور حصول انصاف کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے اور مجبوراً ہر قسم کی ناانصافی کو بادل نخواستہ قبول کرنے اور اپنی تقدیر پر صابر و شاکر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اگر ہم درجہ بدرجہ انصاف مہیا کرنے والے اداروں یا عدالتوں کا ذکر کریں تو صورتحال کچھ یوں ہے نچلی سطح پر فیکٹری ایکٹ کے تحت تنخواہوں، گریجوایٹی، چھٹیوں کے پیسے اور اسی طرح کی دیگر مزدور کی ادائیگیوں یا دعوؤں کے لئے پے منٹ آف ویجز ایکٹ کی اتھارٹی ہے اس اتھارٹی کا قانونی رتبہ سول جج یا مجسٹریٹ کے برابر ہوتا ہے یہ بیک وقت عدالتی اور انتظامی ذمہ داریاں ادا کرتی ہے، جبکہ صنعتی پیداواری عمل میں زخمی ہونے والے یا معذور ہونے والے مزدوروں کے دعوؤں اور ادائیگیوں کے مقدمات کا فیصلہ معاوضہ کمشنر کرتا ہے۔ جس کا قانونی رتبہ سول جج یا مجسٹریٹ کے مساوی ہوتا ہے۔ ان دونوں اداروں کے فیصلوں کے خلاف اپیل متعلقہ فریق لیبر کورٹ پھر لیبر اپیلیٹ ٹربیونل اور اس کے بعد ہائی کورٹ، سپریم کورٹ تک لے جا سکتا ہے۔

مزدوروں کے سب سے زیادہ مقدمات لیبر کورٹس میں درج ہوتے ہیں تمام صنعتی تعلقات، برطرف مزدوروں کی بحالی، ٹریڈ یونینز کی رجسٹریشن یا منسوخی کے حوالے سے مقدمات وغیرہ لیبر کورٹ میں دائر ہوتے ہیں اس وقت پنجاب میں 11 لیبر کورٹس، سندھ میں 8، خیبر پختونخواہ میں 6 اور بلوچستان میں 4 لیبر کورٹس ہیں ان کے اوپر لیبر اپیلیٹ ٹربیونلز ہیں جن کی پنجاب میں تعداد 2 اور سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں ایک ہے۔ لیبر کورٹس کے ججوں کو پریزائیڈنگ آفیسر کہتے ہیں ان کا رتبہ سیشن جج کے برابر ہوتا ہے، جبکہ لیبر اپیلیٹ ٹربیونل کے ججز کا رتبہ ہائی کورٹ کے جج کے مساوی ہوتا ہے، لیکن ان تمام ججز کو اس قدر مراعات اور سہولیات میسر نہیں ہوتیں جو سیشن ججوں اور ہائی کورٹ کے دیگر ججوں کو میسر ہیں۔

بین الصوبائی معاملات اور ملک گیر یونینز اور اداروں کے مقدمات کے لئے نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز کمیشن (NIRC) کا ادارہ ہے۔ 18 ویں ترمیم کے بعد اس ادارے کے بارے میں بعض ابہام بھی پیدا ہوئے یا کئے گئے ہیں۔ لیبر کورٹس کے فیصلوں کے خلاف اپیل ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ میں کی جا سکتی ہے اسی طرح نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز کمیشن (NIRC) کے سنگل بنچ کا فیصلہ فل بنچ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے اور پھر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کا حق ہے۔

9.1: پاکستان میں مزدور انصاف کا عدالتی نظام کا ڈھانچہ

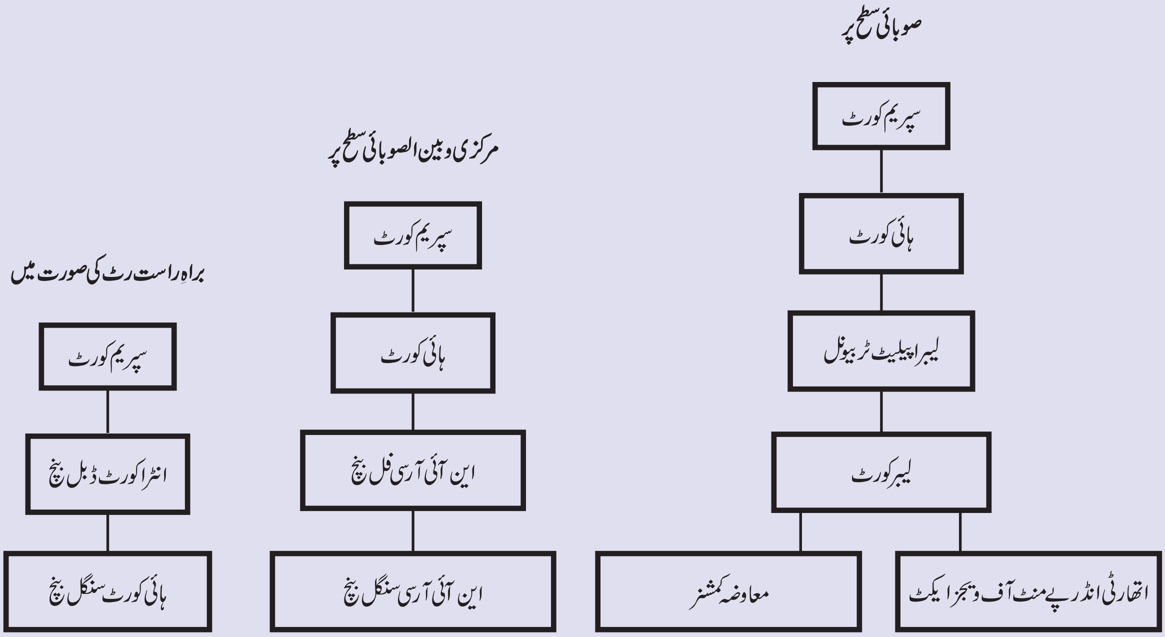

اکثر پریکٹس رہی ہے کہ لیبر کورٹس اور ٹریبونل میں ریٹائرڈ ججوں کو ذمہ داری سونپی جاتی ہیں اور وہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے تیزی سے مقدمات نہیں نبٹا پاتے اور پھر اگر وہ مخصوص عرصہ کے لئے کنٹریکٹ پر رکھے گئے ہوں تو ان کی دلچسپی اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

مزدوروں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ لیبر کورٹس، لیبر اپیلیٹ ٹریبونلز میں مقدمات سا ہا سال سے معرض التواء میں رہتے ہیں جس سے مزدوروں کو بے پناہ مشکلات اور مسائل کا سامنا ہے اور وہ مقدمہ بازی میں پھنس کر محنت مزدوری کرنے سے بھی قاصر رہ جاتے ہیں اور یہی آس لگائے رہتے ہیں کہ شاید جلد فیصلہ ہو اور وہ کامیاب ہو جائیں، لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب آجر مزدوروں کے خلاف بطور فریق مقدمہ کرتے ہیں تو ان کو مزدوروں کے خلاف حکم امتناعی یا ہڑتال کو غیر قانونی قرار دلوانے میں فیصلوں کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور وہ مزدوروں کے خلاف آرڈر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔
18 ویں ترمیم کے بعد بہت سے ایسے مقدمات جو صوبائی سطح تک کی یونینز یا اداروں کے تھے ان کو این آئی آر سی نے واپس متعلقہ لیبر کورٹس کو بھیج دیا جبکہ لیبر کورٹس میں جو مقدمات ملک گیر یا بین الصوبائی یونینز یا اداروں کے تھے ان کو این آئی آر سی میں بھجوا دیا۔ اس سلسلہ میں صوبائی سطح سے آجروں نے حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونین سے چھٹکارا پانے کے لئے اسلام آباد یا کسی دوسرے صوبے میں ایک آدھ دفتر کھول کر اپنے پسندیدہ لیڈروں سے ملک گیر یونین قائم کروا لی اور صوبائی رجسٹرڈ یونین سے وقتی طور پر گلو خلاصی کروا لی۔ اسی طرح 18 ویں ترمیم کے بعض منفی پہلوؤں کا حقیقی نمائندہ یونینز کو کچھ خمیازہ بھی بھگتنا پڑا ہے۔

تجاویز

لیبر کورٹس یا مزدور عدلیہ کے حوالے سے ہماری تجاویز درج ذیل ہیں۔

1- لیبر عدالتوں سے متعلقہ تمام جج صاحبان لازمی طور پر حاضر سروس ججز ہونے چاہئیں اور کسی بھی صورت میں ریٹائرڈ ججوں کی خدمات مزدور عدلیہ کے لئے حاصل نہیں کی جانی چاہئیں۔

2- تمام ججز کی مراعات اور تنخواہیں وغیرہ سیشن ججوں اور ہائی کورٹ کے ججوں کے ہر لحاظ سے مساوی ہونی چاہئیں اور ان میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونا چاہئے۔

3- تمام ججز کی بھرتی کا طریقہ کار بذریعہ عدلیہ یعنی عدالت عالیہ یا عدالت عظمیٰ کی طرف سے دیگر ججز کی طرح ہونا چاہئے اور صوبائی حکومتوں یا مرکزی حکومت کو ان کی تقرری کا اختیار نہیں ہونا چاہئے، تا کہ عدلیہ انتظامیہ کے زیر اثر نہ رہے بلکہ عدلیہ اور انتظامیہ علیحدہ ہوں۔

4- لیبر جوڈیشری سے متعلق تمام ججز کا کیڈر (شعبہ) علیحدہ ہونا چاہئے تا کہ وہ لیبر سے متعلق قوانین کے ماہر ہوں اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر ٹریڈ یونین موومنٹ اور آئی ایل او اور دیگر اداروں میں ہونے والی بحث اور نئے نئے رجحانات اور مسائل سے باخبر (اپ ڈیٹ) رہیں اور لیبر قوانین پر مکمل گرفت رکھتے ہوں۔ مزدوروں کو درپیش مسائل سے آگاہ اور حساس ہوں اور ان کو یہ بھی علم ہو کہ انہوں نے تمام مدت ملازمت لیبر کورٹ یا لیبر عدلیہ ہی میں گزارنی ہے اور یوں وہ دلجمعی اور مکمل اطمینان سے کام کرنے کو اپنا شعار بنا سکیں۔

5- لیبر کے متعلقہ تمام مقدمات کا لازمی طور پر مخصوص عرصہ کے اندر اندر فیصلہ ہونا چاہئے اور یہ عرصہ 3 ماہ سے 6 ماہ تک ہو، کیونکہ مزدور طبقہ ملکی پیداواری عمل کا سب سے فعال اور معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور اگر اس طبقے کے ساتھ کوئی ناانصافی ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ اس کو جلد از جلد انصاف مل سکے، تا کہ وہ بدستور پیداواری عمل میں اپنا فعال کردار ادا کر سکے۔

6- جس قدر ضروری ہو لیبر کورٹس کی تعداد میں اضافہ کیا جانا چاہئے اور اسی طرح نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز کمشن میں ججوں اور ممبران کی تعداد پوری ہونی چاہئے تا کہ مقدمات محض ممبران کی کمی کی وجہ سے زیر التوا نہ رہیں اور اس قدر کم ججز ہوں کہ فل بنچ بھی تشکیل نہ ہو سکے۔

7- 18 ویں ترمیم کے بعد مرکز اور صوبوں میں موجود مختلف امور پر ابہام کا اب حتمی طور پر فیصلہ ہو جانا چاہئے اور کونسل آف کامن انٹرسٹ کے ذریعے یا دیگر اقدامات کے ذریعے یہ بات حتمی طور پر طے ہونی چاہئے کہ مرکزی حکومت کن امور کی ذمہ دار ہے اور صوبوں کے پاس کون کون سے اختیارات ہیں تا کہ بعض امور میں موجود تذبذب اور بے یقینی کا مکمل خاتمہ ہو سکے۔

8- اگر مزدوروں کی ملازمت سے برطرفی سے بحالی کے مقدمات کا چھ ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکے تو ایسے مزدوروں کو ملازمت پر بحال کرنے کے بعد مقدمہ جاری رہنا چاہئے، تا کہ وہ مزدور لمبے عرصہ کی بے روزگاری کے عذاب سے بچ سکیں اور مخالف فریق خواہ مخواہ مقدمہ کو لمبے عرصہ تک کھینچنے کو بے مقصد تصور کریں اور اگر حکومت اور عدلیہ چھ ماہ بھی انصاف مہیا نہیں کر سکتیں تو پھر مزدور اور اس کے خاندان کو لامحدود عرصہ تک فاقہ کشی کی سزا نہیں ملنی چاہئے۔

سہ فریقی کمیٹیوں میں اس امر کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ لیبر کورٹس، اپیلیٹ ٹربیونلز اور نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز کمیشن میں کس قدر مقدمات زیر التوا ہیں اور کتنے عرصے سے التوا میں پڑے ہیں اور ان کو جلد نپٹانے کے لئے کون سے اقدامات ضروری ہیں۔

9- ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے مزدوروں سے متعلق اپیلوں کی شکل میں مقدمات کے لئے ان اعلیٰ عدالتوں میں بھی خصوصی لیبر بنچ مقرر ہونے چاہئیں جو مخصوص مدت میں لازمی طور پر ان اپیلوں کا فیصلہ کر سکیں۔ یہ امر بہر حال قابل تشویش ہے کہ مزدوروں کو تنظیم سازی میں بے شمار رکاوٹوں اور دشواریوں کا سامنا ہے اور پھر اگر وہ عدلیہ سے رجوع کریں تو وہاں بھی مقدمہ بازی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے تو وہ کس سے رجوع کریں۔ وقت آ گیا ہے کہ ارباب اختیار مزدوروں کے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے توجہ دیتے ہوئے ان کو کم از کم یہ سہولت تو مہیا کریں کہ فیصلہ ان کے حق میں نہیں تو ان کے خلاف ہی ہو جائے کم از کم فیصلہ تو ہو اور ان کی بلاوجہ کی خوش فہمی تو دور ہو کہ بس فیصلہ ان کے حق میں ہونے ہی والا ہے اور وہ اسی آس میں فارغ رہنے کے بجائے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔

باب 10 : پاکستان کی اہم سیاسی پارٹیوں کے مزدوروں کے بارے انتخابی منشور کا ایک جائزہ

ذیل میں ہم پاکستان کی تمام اہم اور مین سٹریم میں موجود سیاسی پارٹیوں کے مزدوروں کے حوالے سے انتخابی منشور اور پروگرام کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو انہوں نے پچھلے چار عام انتخابات (1992-2013ء) کے مواقع پر عوام کے سامنے پیش کئے تا کہ یہ بات عیاں ہو سکے کہ مزدوروں کے مسائل کے بارے میں جو کچھ ٹریڈ یونین تحریک وقتاً فوقتاً حکومت اور میڈیا کے سامنے اپنے موقف میں سامنے لاتی ہے تمام سیاسی پارٹیاں بھی ان مسائل کو حقیقی مسائل سمجھتی ہیں اور وعدوں کی حد تک ہی سہی ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھتی ہیں۔ ان انتخابی منشوروں میں تحریر کردہ مزدوروں کے مسائل اور ان کے حل کے حوالے سے سیاسی پارٹیوں کی طرف سے نشاندہی اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ آج مزدوروں کو بے شمار مسائل درپیش ہیں اور اگرچہ آئین میں ان کا احاطہ کیا گیا ہے، لیکن عملاً قانون پر عملدرآمد کا سلسلہ بہت کمزور ہے جس سے پہلے سے کمزور اور بے بس طبقات کے لئے زندگی گزارنا دن بدن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ رپورٹ میں انتخابی عمل کے جائزہ پیش کرنے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انتخابی وعدوں اور ان کی تکمیل میں کس قدر بعد پایا جاتا ہے۔

یہ امر انتہائی تکلیف دہ ہے کہ جب مزدوروں اور کمزور طبقات کے حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جا رہی ہو اور ذمہ دار حلقوں کو کسی سزا اور جزا کا خوف تک نہ ہو اور نہ قانون کی عملداری ہو تو پھر معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کہلانے والے یہ محنت کش کس سے رجوع کریں اور کون ان کی دادرسی کے لئے آگے آئے۔

اسی لئے ہمارا اصرار ہے کہ جب تک مزدور طبقہ خود منظم ہو کر ایک قوت نہیں بن پاتا اس کے مسائل جوں کے توں موجود بھی رہیں گے اور صرف اشک شوئی کی حد تک حکمران طبقات اور ان کی نمائندہ پارٹیاں صرف ان کے مسائل کی نشاندہی اور ان کے حل کے وعدوں تک محدود رہیں گی اور عملی طور پر صورت حال میں بہت کم تبدیلی رونما ہو سکتی ہے۔

بہر حال ایک بات واضح ہے کہ ہمارے حکمران اچھی طرح مزدوروں کے مسائل کا ادراک رکھتے ہیں۔ ان کو جائز تصور کرتے ہیں اور ان کا حل بھی ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سیاسی عزم کی کمی ہے یا وہ دراصل ان طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں جو مزدوروں کے استحصال سے مستفید ہو رہے ہیں اور جو مزدوروں کو منظم نہیں ہونے دیتے اور ان کو ایک موثر تحریک بننے سے روکے ہوئے ہیں۔ اب ہم اہم سیاسی پالیسیوں کے منشور کے اہم نکات کا ذکر کرتے ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین (PPPP)

1997ء ای او بی آئی میں موجود ایک لاکھ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد 2010ء تک 70 لاکھ رجسٹرڈ کارکنوں تک لے جانا اور ای او بی آئی میں ایک ارب روپے کی گرانٹ......نئی پنشن سکیم جس میں تمام ورکرز بشمول خود روزگار ورکرز شامل ہوں۔ کنٹریکٹ لیبر کا خاتمہ، سوشل سیفٹی نیٹ کا کور، مہنگائی کے تناسب سے اجرت، صحت کی سہولت، بچوں کی تعلیم، صحت کی سنگین ایمرجنسی کے لئے ہیلتھ انشورنس۔ 2002ء تک 15 لاکھ مزدور کو رہائش کی سہولت، پبلک ورکس پروگرامز اور انفراسٹرکچر کی تعمیر کی بڑی سکیموں میں روزگار کا حصول، بند کارخانے چلانے کے لئے مزدوروں کو موقع دینا کہ انہیں مالی اداروں کے ذریعے چلالیں جو جس قدر سرمایہ کاری کرے اتنے حصے کا حق دار بصورت دیگر بند کارخانے تحلیل (لیکوڈیٹ) اور زمین و دیگر سامان فروخت کر کے سرمایہ کاری میں استعمال۔

2002ء: چھانٹیوں برطرفیوں کی مخالفت، لیبر قوانین آئی ایل او کے کنونشنز کے مطابق۔ مزدور کے بچوں کے لئے کیڈٹ کالج۔

IRO-2008 2002ء پر نظر ثانی، کوالٹی ایجوکیشن، ہیلتھ کیئر اور رہائسی سکیموں میں پبلک پرائیویٹ پارٹنر شپ کی حوصلہ افزائی۔ لیبر قوانین پر موثر عملدرآمد، لیبر انسپکشن سسٹم کو طاقتور کیا جائے گا مناسب وقفوں میں سہ فریقی لیبر کانفرنسوں کا انعقاد، پالیسی سازی اور مؤثر اطلاق، حادثات اور پیشہ ورانہ بیماریوں کی روک تھام، چائیلڈ لیبر، بانڈڈ لیبر کا سختی سے خاتمہ، چائیلڈ لیبر کے شکار بچوں کی عام زندگی میں بحالی۔

2013ء: مزدور نمائندوں کے لئے قومی اسمبلی میں چار اور ہر صوبائی اسمبلی میں دو دو سیٹیں مخصوص، لیبر قوانین پر عملدرآمد کے لئے کمیشن کا قیام، وفاقی اور صوبائی دارالحکومتوں میں لیبر ہاؤسنگ کمپلیکسز کی تعمیر، ضلع سطح پر لیبر کمیٹیز تاکہ صنعتی تنازعات حل کروائیں، بینظیر ایمپلائز سٹاک آپشن سکیم کے تحت 25 فیصد شیئرز مزدوروں کے لئے، بنکنگ سیکٹر سے B-27 کا خاتمہ، زرعی مزدوروں اور دیگر عام مزدوروں کو ٹریڈ یونین میں منظم ہونے کا حق اور ان کی ورکرز ویلفیئر فنڈ میں شمولیت، ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز، فارم ورکرز اور کسانوں کی سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن، لیبر قوانین کا فاٹا، پاٹا، گلگت بلتستان اور آزاد جموں وکشمیر میں بھی اطلاق، ہیلتھ اور سیفٹی کے لئے اقدامات، کم از کم اجرت 18000 اور پھر مہنگائی کے مطابق انڈیکسیشن، سوشل سکیورٹی، ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ میں تمام مزدوروں کی رجسٹریشن، ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز کے لئے تنظیم سازی کا حق اور ان کے دوسرے مزدوروں کے برابر حقوق، بڑے صنعتی اداروں اور صنعتی علاقوں میں خصوصی فیئر پرائس شاپس اور ان سے ماہوار آمدن کے برابر سامان کی خرید کا حق اور بچوں کی تعلیم اور صحت کے لئے زیادہ وسائل، پبلک پرائیویٹ پارٹنر شپ کے تحت لیبر کالونیز کی تعمیر اور مفت زمین مہیا کرنا اور بنکوں سے قرضہ کی سہولت، 50 سے زائد مزدوروں کو ملازمت دینے والے صنعتکاروں پر لیبر ہاؤسنگ کی تعمیر لازمی۔

پاکستان مسلم لیگ (ن)(PML-N)

1997:۔ مزدوروں کی فلاح و بہبود، دیہی علاقوں میں صنعتیں تاکہ شہری علاقوں میں ہجرت پر قابو پایا جاسکے۔ نیم ہنرمند اور ہنرمند مزدوروں کے لئے 10 لاکھ روزگار کے نئے مواقع، تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے قرضے، پیلی ٹیکسی سکیم اور چھوٹی صنعت کے لئے قرضے اور 5 لاکھ لوگوں کے لئے خود روزگار، بچوں کی صحت اور تعلیم پر خصوصی توجہ، بے زمین کسانوں، ہاریوں کو سرکاری زمین الاٹ اور ٹریکٹرز کی خریداری اور ٹیوب ویلز کے لئے مناسب قرضہ، چھوٹے کسانوں کے لئے ییلو ٹریکٹر سکیم، زرعی پیداوار کی مناسب قیمتیں جو عالمی قیمتوں کے مطابق ہوں، خواتین کے خلاف ہر قسم کے تشدد و بدسلوکی اور صنفی امتیاز کا خاتمہ، رسمی و غیر رسمی شعبوں میں خواتین ورکرز کے لئے مناسب کم از کم اجرت، قابل قبول اوقات کار اور صحت و میٹرنٹی بنی فٹس اس کا اطلاق عارضی اور پیس ریٹ پر بھی لاگو، پرائیویٹ سیکٹر کے تعاون سے ڈے کیئر سنٹرز کا قیام، چائلڈ لیبر اور بچوں کے ساتھ بدسلوکی کا خاتمہ۔

2002ء: ورکرز کے لئے منصفانہ لیبر پالیسی، ٹیکنیکل ٹریننگ اور اپرنٹس شپ کے ذریعے کوالٹی لیبر فورس، کام کی جگہ بہتر سیفٹی کا ماحول زخمی ہونے والے مزدوروں کے لئے مناسب معاوضہ، سوشل سکیورٹی میں مزید بہتری، حادثہ یا موت کی صورت میں ورکرز کے خاندانوں کے لئے فنڈز کا قیام، ورکرز کے لئے ٹورازم کا پروگرام، لیبر کالونیز کے قریب پارکس، پارکس کمیونٹی سینٹرز، مزدوروں کے ذہین بچوں کو وظیفہ دینے والے آجروں کو خصوصی رعایت، ملازمتوں میں عورتوں کے لئے خصوصی کوٹہ اور موثر مانیٹرنگ، بانڈڈ لیبر اور ان پیڈ لیبر کے لئے موثر قانون۔

2008ء: مزدور دوست لیبر پالیسی، مزدوروں کی کم از کم اجرت 5000 روپے، اجتماعی سوداکاری کو موثر بنانا، کام پر سلامتی کا ماحول اور زخمی ہونے والے مزدوروں کے لئے معاوضہ، فنی اور ٹیکنیکل ٹریننگ کے ذریعے کوالٹی لیبر فورس، اپرنٹس شپ ٹریننگ، لیبر کالونیز کے قریب پارکس اور کمیونٹی سنٹرز کی تعمیر۔

2013ء: مزدور حقوق کا تحفظ، ٹیکنیکل ٹریننگ، لیبر قوانین پر نظر ثانی، سہ فریقی مرکزی اور صوبائی کانفرنسیں، سہ فریقی بنیاد پر قومی صحت وسلامتی کونسل کا قیام، سوشل پروٹیکشن۔

مسلم لیگ(PML)

2002ء: لیبر قوانین کی تجدید 48 گھنٹے فی ہفتہ اوقات کار، مزدور کی سلامتی اور زخمیوں کے لئے معاوضہ، جبری مشقت اور غیر ادا شدہ لیبر بارے قوانین، ٹیکنیکل ٹریننگ کے ذریعے استعدادکار میں اضافہ۔

2008:۔ مزدوروں کی فنی تربیت مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کا تحفظ، اجرتوں میں مہنگائی کے مطابق اضافہ۔

2013ء: IRO-2012 پر نظر ثانی، آئی ایل او کنونشنز کے مطابق لیبر قوانین مزدوروں کی پنشن میں اضافہ، جبری مشقت بارے قوانین مضبوط کرنا۔

پاکستان تحریک انصاف(PTI)

2013ء: مزدوروں کی فلاح و بہبود، مہنگائی کے تناسب سے اجرت،

لیبر قوانین پر سختی سے عملدر آمد اور کنٹریکٹ لیبر بارے قوانین کا سختی سے اطلاق۔ صوبائی سطح پر سہ فریقی لیبر پالیسی بورڈز جن میں آجر، اجیر اور انسپکٹرز ہوں۔ تاکہ یہ بورڈز تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کی آزادی، اجرتوں میں اضافہ، صحت و سلامتی، صنفی امتیاز کے خاتمے، طویل اوقات کار، سوشل پروٹیکشن کے بارے فیصلہ کے لئے کمیٹیز کا قیام، بانڈڈ لیبر کا سختی سے خاتمہ، ذمہ داروں کو سزا، آئی ایل او کنونشنز کے مطابق قانون سازی، ورکرز ویلفیئر فنڈ اور پارٹی سپیشن فنڈ سے مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ فوائد، خواتین ورکرز کے تحفظ کے لئے قوانین، چائیلڈ لیبر کا خاتمہ، بچوں کے حقوق بدسلوکی کے خلاف تحفظ، ہوم بیسڈ ورکرز کے لئے قومی پالیسی، رسمی شعبوں میں مرد اور خواتین کارکنوں کا مساوی معاوضہ، عورتوں کے لئے میٹرنٹی بنیفٹس لچکدار اوقات کار اور ٹرانسپورٹ کی سہولت۔

متحدہ قومی موومنٹ (MQM)

1997ء: مزدوروں کے استحصال کے خلاف اور ان کے حقوق دلوانا، کنٹریکٹ سسٹم کا خاتمہ، ورکرز کے لئے یونٹوں کے شیئرز تاکہ ان کو ملکیت کا احساس ہو۔ منافع میں حصہ ملے پیداوار بڑھے، مہنگائی کے تناسب سے اجرتوں میں اضافہ، مزدور کے بچوں کی تعلیم، خاندان کی صحت کے اقدامات۔ یونین سازی کا حق، قوانین آئی ایل او کے مطابقت میں، عورتوں کو ٹیچنگ پروفیشن میں مواقع، نرسز، میڈ وائیوز (دائی) اور لیڈی ہیلتھ ورکرز کے لئے زیادہ نرسنگ سکولز، جبری مشقت اور بانڈڈ لیبر اور چائیلڈ لیبر کی لعنت کا خاتمہ۔

2002ء: لیبر پالیسی پر مزدوروں کے حق میں نظر ثانی مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ بہتر حالات کار اور سیفٹی کے اقدامات ڈاؤن سائزنگ اور رائٹ سائزنگ سے فارغ مزدوروں کو نئے اور توسیعی پروجیکٹس میں ملازمت،۔ سرکاری نیم سرکاری کارپوریٹ اور پرائیویٹ سیکٹر کے مزدوروں کی لازمی ہیلتھ انشورنس جس کا 1/3 حصہ ملازمین اور 2/3 حصہ آجر دینگے۔

2008ء: مناسب اجرتیں جو مہنگائی زائل کر سکیں، مزدوروں کی ہیلتھ انشورنس اور بڑھاپے کی پنشن، معذوری کے معاوضہ جات، ریٹائرمنٹ کے بعد کم آمدنی والے مزدوروں کیلئے پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں مکانات کا قیام، یونٹوں میں آجروں اور اجیر کے مشترکہ بورڈز جو مناسب تنخواہوں کا فیصلہ کر سکیں، نجکاری سے قبل ٹریڈ یونین اور ملازمین کو اعتماد میں لیا جائے، تاکہ نجکاری کے بعد کے مسائل سے بچا جا سکے، کسانوں، ہاریوں اور مزارعین کے لئے مزدوروں کی طرز پر لیبر قوانین اور جاگیرداری نظام کا خاتمہ، موثر زرعی اصلاحات اور زمین کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر۔

2013ء: بڑی اور چھوٹی صنعتوں پر برابر توجہ، پرائیویٹ سیکٹر کو صنعتی سٹیٹ کے لئے زمین مہیا کرنا، کاٹیج انڈسٹری کا فروغ، عورتوں کے لئے صنعتی ہومز میں اضافہ تاکہ بہتر ہنر سیکھ سکیں، پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر کے اشتراک کی حوصلہ افزائی، سرمایہ کاروں کے لئے ون ونڈو کی سہولت، پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر کی تنخواہوں کے مناسب سکیل، ہیلتھ کیئر انشورنس بڑھاپے کی پنشن، معذوری کی پنشن، کم آمدنی والے مزدوروں کے لئے پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں رہائش کی سہولت مناسب تنخواہوں کے لئے مالکان اور مزدوروں کے مشترکہ مینجنگ بورڈز نجکاری سے قبل مزدوروں کے ساتھ بامعنی مشاورت اور مذاکرات۔

جمعیت العلمائے السلام (JUF-F)

2002ء: کاٹیج اور زرعی انڈسٹری کا فروغ، امپورٹ اور ایکسپورٹ میں توازن اور غیر ضروری ٹیکسوں اور ڈیوٹیز کا خاتمہ، مزدوروں کا فیکٹریوں میں شیئر، ملازمتوں کا تحفظ، یونین کا حق اور تنخواہوں اور سہولتوں میں اضافہ۔

2008ء: بیمار صنعتی یونٹوں کی بحالی، آجر اور اجیر کے تعلقات میں بہتری، یونین سازی کے حق کی ضمانت، نجکاری کی مخالفت، غلط اور غیر اطمینان بخش نجکاری پر نظر ثانی، بجٹ کی تیاری میں مزدوروں کے ساتھ مذاکرات، ان کو یونٹوں کے شیئرز کی آفر، ان کے حقوق کے تحفظ کی یقین دہانی، مزدوروں کو تعلیم اور فنی تربیت ورکرز کے لئے ہاؤسنگ اور ہیلتھ کیئرز کا بندوبست، ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام، مزدوروں کی مناسب تنخواہ اور ہر سال مہنگائی کے مطابق نظر ثانی، ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن سکیم اور کنٹریکٹ لیبر کا خاتمہ۔ ورکرز ویلفیئر فنڈ کا صرف مزدوروں کے مفاد میں استعمال لیبر کورٹس کی کارکردگی بہتر اور موثر ہوم بیسڈ اور سمال سکیل صنعتوں میں کام کرنے والے ورکرز کو بلاسود قرضے۔

2013ء: لیبر کے لئے ہاؤسنگ، ورکرز اور ان کے خاندان کے لئے صحت کی

سہولیات، آجر اور ورکرز کی تنخواہوں میں ایک اور پانچ کا تناسب، لیبر ویلفیئر کے لئے پالیسیاں، بچوں کی تعلیم صحت اور خاندان کے لئے بیماری کے بعد بحالی صحت کے لئے اقدامات، ورکرز کی موت اور معذوری کے لئے مناسب معاوضہ، اوقات کار میں کمی۔

عوامی نیشنل پارٹی(ANP)

ورکرز کے ٹریڈ یونین حقوق کا تحفظ کرنا اور ان کے سیفٹی سٹینڈرڈ اور بہتر معیار زندگی کو یقینی بنانا اور ایسے تمام قوانین پر نظر ثانی کرنا جو مزدوروں کے ٹریڈ یونین بنانے کے حق میں رکاوٹ ہوں۔ وہ ورکرز جو غیر روایتی شعبہ جات میں ملازمت کرتے ہیں ان کی ملازمتوں کا تحفظ کرنا اور ان کے لئے ملازمت کے بہتر حالات کا پیدا کرنا ان کے تمام مفادات کا تحفظ کرنا۔ ورکرز کی صحت کے معیارات کو بلند کرنا، ان کی تعلیم اور فنی تربیت کے معیارات کو بہتر کرنا اور ان کی چھٹیوں کو یقینی بنانا۔ لیبر قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنانا تاکہ روایتی اور غیر روایتی دونوں شعبوں میں ان کے لئے بہتر اور محفوظ حالات پیدا ہوسکیں۔ ورکرز کی کم سے کم تنخواہوں پر مہنگائی اور افراطِ زر کے حوالے سے نظر ثانی کرتے رہنا۔ خواتین کے حقوق کا مکمل تحفظ کرنا اور انہیں آئین و قانون کے مطابق ہر شعبہ زندگی میں بااختیار بنانا ضروری ہے۔ خواتین کے ساتھ روا رکھے جانے والے صنفی امتیازات کا مکمل خاتمہ اور 18 ویں ترمیم کے بعد خواتین کی ترقی کی وزارت کے خاتمے کے نتیجہ میں جو اختیارات صوبوں کو منتقل ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق خواتین کے لئے پیشہ وارانہ، ٹیکنیکل اور مالیاتی امور میں بہتری لا کر انہیں بااختیار بنانا اور اٹھارھویں ترمیم کے بعد آئین کے آرٹیکل A-25 کے تحت 5 سے 16 سال کی عمر تک کے تمام بچوں کے لئے مفت اور لازمی تعلیم کو یقینی بنایا گیا ہے، اس قانون اور آئینی ترمیم کے بعد A-25 پر مکمل عملدر آمد کو یقینی بنانا، 16 سال کی عمر سے کم عمر بچوں سے کسی قسم کی مزدوری لینے کی مکمل ممانعت، قومی انسانی حقوق کمیشن کو صوبے اور ڈسٹرکٹ کی سطح پر اس طرح منظم کرنا کہ وہ صوبائی حکومت کے تعاون سے بچوں کے حقوق پر عمل درآمد میں مددگار ثابت ہوسکے۔ سیکولر اور جمہوری اور تعصب سے پاک معاشرے کے قیام کو یقینی بنانا جس میں تمام شہریوں کے حقوق کا تحفظ ہوسکے۔

جماعت اسلامی(JI)

صنعتی اداروں کی ملکیت اور منافع میں مزدوروں کا مناسب حصہ اور انتظامی امور میں شمولیت کے علاوہ ورکرز کی تنخواہوں میں ہر سال مہنگائی اور افراطِ زر کی مناسبت سے نظر ثانی کرنا، منافع بخش صنعتی اداروں کی نجکاری سے گریز اور ایسی نجکاری کی جائے گی جس سے اجارہ داری اور استحصال نہ ہو سکے، نجکاری میں متعلقہ اداروں کے کارکنوں کو ہر حال میں ترجیح دینا، ان کے مفادات کا تحفظ، نجکاری کی آمدنی کو قرضوں کی ادائیگی اور صحت وتعلیم سے متعلقہ فلاحی منصوبوں پر خرچ کرنا، انجمن سازی اور یونین سازی کو یقینی بنانا، مزدوروں کو رہائش اور علاج کی سہولیات کی فراہمی اور ان کے بچوں کے لئے مفت تعلیم، کارکنوں کی تعلیم و تربیت کا نظام رائج کرنا، مزدوروں کی پنشن کا نظام نافذ کرنا، انتظامی امور میں مزدوروں کو شامل کرنا، مزدوروں کی بہبود کے لئے بنائے گئے فنڈز کو صرف مزدوروں کے مفاد میں استعمال کرنا، لیبر عدالتوں کی کارکردگی کو بہتر بنانا، ٹھیکیداری نظام کا خاتمہ۔

باب نمبر 11: جی ایس پی پلس کی رعایت اور ہماری ذمہ داریاں

آج ہر پاکستانی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر قدرتی وسائل سے مالا مالا ہمارا ملک اس قدر پسماندگی، غربت اور گوناگوں مسائل سے دوچار کیوں ہے؟ کیا ہمارے لئے یہ امر باعث تشویش نہیں کہ جنوبی ایشیا میں ترقی کے تمام عشاریوں میں ہم سب سے نیچے چلے گئے ہیں؟ یہ امر حیران کن کیوں نہ ہو کہ 2008ء میں پاکستان کا ہر شہری 37000 روپے کا مقروض تھا، جبکہ آج ہر شہری ایک لاکھ روپے سے زائد کا مقروض ہو چکا ہے۔ صرف گزشتہ دس سالوں میں ملک پر 49 ارب ڈالر کے بیرونی قرضوں کا بوجھ بڑھا ہے آج ہمارے حکمران ہر سال 5 ارب ڈالر کے نئے قرضے لے کر 2.5 ارب ڈالر کے پرانے قرضوں کی ادائیگی کرنے پر مجبور ہیں جس سے قرضے مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ پاکستان پر اس وقت 80 ارب ڈالر کے بیرونی قرضوں کا بوجھ ہے جن کا سود 1300 ارب روپے سالانہ سے زائد ہے جبکہ 3000 ارب روپے کے اندرونی قرضوں کا بوجھ الگ ہے اور یوں پاکستان کے مجموعی قرضے 110 ارب ڈالر سے زائد ہو جاتے ہیں جو کہ ملک کی جی ڈی پی کے 60 فیصد سے زائد ہو چکے ہیں۔

بدقسمتی سے ہماری حکمران اشرافیہ بہتر طرز حکمرانی کا ثبوت نہیں دے سکی، جبکہ فوری اور دورس پالیسوؤں کی تشکیل، بہتر ترقیاتی سمت کے تعین اور وژن کا بھی فقدان رہا ہے زیادہ تر پالیسیاں وقتی حالات اور جبر کے تحت وقت گزاری کے لئے اپنائی گئی ہیں اور حالات کے بدل جانے سے ان پالیسیوؤں پر بھی سوالیہ نشان پیدا ہو گئے ہیں۔

ملک کو خود کفالت کی طرف لے جانے کے لئے ایسے بھرپور اقدامات نہیں کئے گئے جو ممکن تھے۔ اندرونی آمدن کی ایک مدعینی ٹیکسوں میں آج بھی امتیازی رویہ برقرار ہے۔ براہ راست آمدنی پر ٹیکسوں کے بجائے بالواسطہ ٹیکسوں پر انحصار کی وجہ سے عام شہریوں اور غریبوں پر ٹیکس کا بوجھ بڑھ گیا ہے جبکہ مقتدر حلقے یا تو ٹیکس نیٹ سے باہر ہیں اور یا برائے نام ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے بیرونی دباؤ اور پراکسی وار میں فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کرنے کی وجہ سے ملک کا اپنا امن تہہ و بالا ہو کر رہ گیا ہے۔ دہشت گردی، بھتہ خوری، اغوا برائے تاوان، خودکش دھماکوں، فرقہ بندی اور لسانی وگروہی تعصّبات، مسلح جتھوں اور مختلف قسم کے مافیاز نے سرمایہ کاری اور کاروباری ماحول پر نہایت منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔

البتہ اب یہ امر اب قابل اطمینان ہے کہ ضرب عضب کے ذریعے بہت سے دہشت گرد گروہوں کا خاتمہ کر دیا گیا اور بچے کھچے دہشت گردوں کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا ہے اس مہم میں عوام کی بھاری اکثریت مسلح افواج کی بھرپور سیاسی حمایت میں کھڑی ہے۔ یہ آپریشن ابھی مزید عرصہ تک جاری رہ سکتا ہے کیونکہ میدان جنگ میں شکست دینے کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کے سیاسی اور نظریاتی مائنڈ سیٹ کو بھی شکست دینا ضروری ہے، تاکہ دہشت گردوں کی نئی فصل تیار نہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں ٹریڈ یونینز اہم کردار ادا کر سکتی ہیں، کیونکہ ٹریڈ یونینز ایک ایسا ادارہ ہے جو ہر قسم کے نسلی، لسانی، مذہبی، فرقہ وارانہ اور علاقائی تعصب سے بالاتر رہ کر مزدور طبقہ کی صف بندی کرتی ہیں اور ان کا وجود اور مضبوط تنظیم بذات خود ہر قسم کے تعصّبات کی نفی ہے۔

ملک میں اچھی حکمرانی کے فقدان کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں بدعنوانی اور ملکی خزانے کی لوٹ مار کا کلچر مضبوط ہوا ہے۔ آئے روز اربوں کھربوں کے سکینڈل پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی زینت بنتے ہیں، لیکن احتساب کا عمل کمزور ہونے کی وجہ سے آج تک کسی ایک بدعنوان کو بھی عبرتناک سزا نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی کرپٹ سیاستدان کو سیاست سے بے دخل کیا گیا ہے۔ اربوں کھربوں روپے کی رقوم کا بیرونی ملک فرار اور منی لانڈرنگ کی خبریں غریب عوام کے زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں اور اس سرمائے کی دوبارہ واپسی کے امکانات فی الحال معدوم ہیں۔

ایسے حالات میں جی ایس پی پلس کی یورپی یونین کے 28 ممالک کی طرف سے پاکستانی مصنوعات کی ڈیوٹی فری برآمد کرنے کی دس سالہ رعایت ہماری ملکی معیشت کی بہتری کے لئے ایک اہم پیش رفت اور مثبت قدم ہے۔ جس سے ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری میں اضافے اور زیادہ سے زیادہ برآمدات بڑھانے اور زیادہ زرمبادلہ کمانے کے امکانات میں اضافہ ہوا ہے اور پاکستان کو جو دہشت گردی کی جنگ میں 120 ارب ڈالر سے زائد کا نقصان اٹھانا پڑا ہے اس رعایت سے اس کی کسی حد تک تلافی کا امکان پیدا ہوا ہے، لیکن اس سلسلے میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری مرکزی اور صوبائی حکومتیں اور صنعتکار انتہائی سنجیدگی کے ساتھ نئی صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے بہتر منصوبہ بندی کریں۔ جاگیردارانہ مائنڈ سیٹ کو

خیر آباد کہتے ہوئے صنعت اور کاروبار کو وسعت دینے کے لئے تیزی سے ضروری فیصلے کریں۔ توانائی کے بحران کے خاتمے کو اولین ترجیح دیتے ہوئے ان تمام شرائط اور کنونشنز پر عملدرآمد کے لئے تمام ممکنہ کوششیں بروئے کار لائیں۔ بالخصوص مزدوروں کے حوالے سے آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے لئے با اعتماد مثبت پیش رفت کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کرتے ہوئے فوری اور دوررس اقدامات کا تعین اور اس پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا ملک عالمی برادری کے سامنے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں سرخرو نہ ٹھہرے اور جی ایس پی پلس کی سہولیات سے لمبے عرصے کے لئے مستفید ہو سکے۔ حکومت، صنعتکار اور مزدور تنظیمیں جی ایس پی پلس سے منسلک شرائط کی تکمیل کے سلسلے میں اہم فریق ہیں جو باہمی مشاورت اور باہمی اعتماد کے ساتھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کو یقینی بنانے میں اہم کردار کی حامل ہیں۔

اسٹیک ہولڈرز کی حالیہ کارکردگی کا مختصر جائزہ

- ان پہلے دو سالوں میں آئی ایل او کے بنیادی 8 لیبر کنونشنز پر عملدرآمد کی رفتار سست رہی ہے۔ ہماری حکومتی مشینری کی روایتی کاہلی اور لاتعلقی کے رویہ کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے۔ البتہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور اسٹیک ہولڈرز کی جانب سے بعض مثبت اقدامات ایسے ضرور اٹھائے گئے ہیں جن کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔
- مرکزی حکومت اور پنجاب کی صوبائی حکومت کی جانب سے جی ایس پی پلس کے سپیشل سیلز (Cells) کی تشکیل اور ان کے ذریعے تمام سرگرمیوں کا احاطہ اور مانیٹرنگ سسٹم۔
- آئی ایل او کی خصوصی کمیٹی کی طرف سے آئی ایل او کے کنونشنز کی خلاف ورزی کے سلسلے میں اٹھائے گئے اعتراضات اور سوالات کا تحریری جواب اور اس عزم کا اظہار کہ آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (CEACR) کی طرف سے جن خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان کو آئندہ صنعتی تعلقات ایکٹس میں مناسب ترامیم کے ذریعے دور کر دیا جائے گا، تاہم یہ عمل ابھی تشنہ تکمیل ہے۔
- خیبر پختونخواہ میں کنٹریکٹ لیبر رکھنے سے قبل چیف انسپکٹر آف فیکٹریز سے پیشگی اجازت اور نو اوبجیکشن سرٹیفیکیٹ (NOC) کا لازمی حصول جس کی زیادہ سے زیادہ مدت 180 دن ہوگی۔
- صوبہ خیبر پختونخواہ کی اسمبلی سے بانڈڈ لیبر ابالیشن ایکٹ 2015ء کی متفقہ منظوری جس کے تحت بانڈڈ لیبر کا سختی سے خاتمہ، تمام قرضے اور پیشگی رقوم کا خاتمہ اور آئندہ صرف تین ماہ کی کم از کم اجرت کے مساوی آجروں سے بلاسود قرضہ حسنہ لینے کی اجازت، جبکہ اسی ایکٹ میں ہر قسم کے امتیازات بشمول صنفی امتیازات کے مکمل خاتمہ کی بھی منظوری دی گئی ہے۔
- قومی اور صوبائی سطح پر سہ فریقی کمیٹیوں کی تشکیل اور ان کے مناسب وقفوں کے بعد مسلسل اجلاس اور فیصلے۔
- یہ امر کسی حد تک خوش آئند ہے کہ جی ایس پی پلس کی وجہ سے مختلف سرگرمیوں سیمینارز وغیرہ کے ذریعے انتظامیہ میں اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں احساس بڑھا ہے اور ان کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول ہوئی ہے۔
- حکومت پنجاب کا وہ قابل تحسین اقدام اور منصوبہ جس کے تحت اکتوبر 2015ء تک بھٹہ خشت سے تمام چائلڈ لیبر کا مکمل خاتمہ اور ان بچوں کی لازمی تعلیم اور سکولوں میں داخلہ اور ان کے تمام اخراجات کا ذمہ پنجاب حکومت کی ذمہ داری۔
- حکومت پنجاب کی طرف سے ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز کے بارے میں پالیسی ڈرافٹس اور ان کی سہ فریقی اسٹیک ہولڈر کے سامنے پیش کرنا اور آئندہ اس ضمن میں باقاعدہ قانون سازی کا عزم۔
- جی ایس پی پلس کی اہمیت کے پیش نظر غیر سرکاری تنظیم ورکرز اینڈ ایمپلائرز باٹیلیٹرل کونسل آف پاکستان (WEBCOP) کے تحت ورکرز اور ایمپلائرز کے نمائندوں کی بامعنی مشاورت اور اس کی پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں تنظیم نو۔
- ویب کاپ کے فورم سے صنعتی تنازعات کے حل کے لئے عزم اور باہمی رضامندی اور صنعتی تنازعات کے حل کے لئے متبادل طریقہ کار پر اتفاق اور مقدمہ بازی سے حتی الامکان گریز۔
- پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی طرف سے تمام اہم صنعتی شہروں اور صنعتی علاقوں میں جی ایس پی پلس کے حوالے سے تمام ٹریڈ یونینز کے مشترکہ اجلاس اور ان سے منسلک کنونشنز اور بنیادی لیبر معیارات کی مکمل بریفنگ۔ پاکستان ورکرز کنفیڈرشن کی طرف سے جی ایس پی پلس کے بارے میں آگاہی اور ٹریڈ یونینز کے لئے ممکنہ ایجنڈہ اور امکانات پر مبنی ایک تعارفی کتابچہ کی وسیع پیمانے پر تقسیم۔

11.1: جی ایس پی پلس اور ٹریڈ یونینز کی ممکنہ منصوبہ بندی

جی ایس پی پلس کی رعایت سے اگر چہ حکومت، صنعت کاروں اور مزدوروں کا یکساں مفاد وابستہ ہے لیکن موجودہ صورت حال میں چونکہ ٹریڈ یونینز نسبتاً کمزور فریق اور کئی مسائل ومشکلات سے دوچار ہیں اس لئے ان کے لئے اس دس سالہ جی ایس پی پلس کے دور میں بہت بہتر منصوبہ بندی اور حکمت عملی سے اپنے اہداف مقرر کرنا ہونگے تا کہ اس عرصہ میں ٹریڈ یونینز کی نئی کھیپ منظّم اور رجسٹرڈ ہو سکے اور اس رعایت کی بنا پر ہونے والے اضافی منافع کا مناسب حصہ مزدوروں کو بھی منتقل ہو سکے۔ آج ٹریڈ یونینز جہاں کھڑی ہیں اس کا جائزہ لیں تو صورت حال کچھ اس طرح ہے
پبلک سیکٹر کے اہم اور مفاد عامہ کے ادارون کو نج کاری کے خطرات کا سامنا ہے اور ان اداروں کی ملک گیر تنظیمیں اس وقت اپنی بقاء کی جدوجہد میں مصروف ہیں اگر یہ تنظیمیں اپنا مظبوط مشترکہ پلیٹ فارم تشکیل کر سکیں تو یہ ان کی جدوجہد کو زیادہ موشر اور نتیجہ خیز بنا سکتا ہے بدقسمتی سے ان پبلک سیکٹر کے اداروں کی غیر یقینی صورت حال کی وجہ سے یہ دن بدن معاشی طور پر کمزور ہو رہے ہیں اور نج کاری کے خواہش مند حکمران ان کو معاشی طور پر مظبوط اور خود کفیل بنانے کیلیئے اس لئے تیار نہیں ہیں کہ اس طرح ان کی نج کاری کا جواز ہی ختم نہ ہو جائے ان اداروں کی یونینز کافی دیر تک اسی کشمکش کا شکار رہیں گی
جہاں تک پرائیوٹ سیکٹر کا تعلق ہے اس میں موجود یونینز اور تنظیمیں زیادہ مضبوط، موثر اور فعال نہیں ہیں جبکہ اس سیکٹر میں نئی یونینز کی تشکیل ایک مشکل عمل بنا دیا گیا ہے اس سیکٹر کے مزدوروں کو قانون، انصاف اور عدلیہ سے بھی کوئی ریلیف نہیں مل رہا لیکن جی ایس پی پلس کے حوالے سے زادہ تر برآمد کرنے والی فیکٹریوں کا تعلق پرائیوٹ سیکٹر سے ہے۔ جی ایس پی پلس نے ایک ایسا موقع فراہم کیا ہے جس کی وجہ سے حکومت کو اپنی عالمی ذمہ داریاں پورا کرنے کی مجبوری کی وجہ سے شائد کسی حد تک مزدوروں کو ریلیف دینا پڑے اور ٹریڈ یونینز کی تشکیل کو برداشت کرنا پڑے ایسے حالات میں ہم صرف اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب ٹریڈ یونینز خود اس کے لئے تیار ہو اور آئندہ دو سالوں کے لئے اپنا قابل عمل ہدف مقرر کرتے ہوئے اس کے حصول کیلئے عملی جدوجہد کریں آئندہ دو سال کے لئے پروگرام کا خاکہ اور منصوبہ بندی درج ذیل ہو سکتی ہیں

- سب سے پہلے تمام صنعتی شہروں اور صنعتی علاقوں میں موجود تمام تنظیموں کی جی ایس پی پلس کے حوالے سے مشترکہ کمیٹیوں کی تشکیل کی کوششیں کرنی چاہیے۔
- ان کمیٹیوں کے ذریعے سہ فریقی بنیاد پر یا کم از کم ویب کاپ (WEBCOP) کی سطح پر دو طرفہ کمیٹیوں کی تشکیل کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔
- یہ کمیٹیاں جن امور کا فوری جائزہ لیں وہ یہ ہیں۔ i- رجسٹرڈ اور غیر رجسٹرڈ کارخانوں اور اداروں کی مکمل لسٹ کی تیاری۔ ii- اور ان اداروں خصوصاً غیر رجسٹرڈ اداروں میں کتنے مزدور ملازم ہیں۔ iii- کس قدر مزدوروں کو ملازمت پر تقرری کے لیٹرز میسر ہیں۔ iv- سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹرڈ ہونے کے حقدار کتنے مزدور رجسٹرڈ اور کتنے غیر رجسٹرڈ ہیں۔ v- ان اداروں میں خواتین ورکرز کی تعداد کتنی ہے اور ان کو مساوی معاوضہ، زچگی کی رخصت اور علیحدہ کینٹین، علیحدہ باتھ رومز ڈے کیئر سنٹرز اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کی سہولیات میسر ہیں یا نہیں۔ اگر چائیلڈ لیبر ہے تو کتنی تعداد میں۔ اسی طرح مخصوص سیکٹرز میں جبری مشقت اور ان سے متاثرہ مزدوروں کی تعداد کتنی ہے۔ کم از کم اجرت مل رہی ہے یا نہیں۔ اوقات کار اوور ٹائم کی کیا شرائط ہیں۔ ان رجسٹرڈ اور غیر رجسٹرڈ یونٹس اور اداروں میں مستقل آسامیوں پر کس قدر مستقل مزدور عارضی، ڈیلی ویجیز اور ٹھیکیداری نظام کے تحت کام کر رہے اور کتنے عرصہ سے اس پوزیشن میں کام کرنے پر مجبور ہیں اور ان کی اجرتوں اور مراعات میں کتنا فرق ہے اور مزدوروں کو دیگر سہولیات جیسے حادثات کی صورت میں معاوضوں، میرج گرانٹس ڈیتھ گرانٹس اور مزدوروں کے بچوں کے سکالر شپس کی سہولیات کی صورتحال کیا ہے، اگر لیبر انسپکشن ہوتی ہے تو اس کی رپورٹس کیا ہیں اور ممکنہ تادیبی کارروائیاں اگر ہوں تو ان کی رپورٹ۔ لیبر انسپکشن سے صورتحال میں کسی تبدیلی کا آثار ہیں یا حالات جوں کے توں ہیں۔ لیبر عدالتوں میں مقدمات اور ان میں مزدوروں کو ریلیف ملنے کی صورتحال کیا ہے۔
- لہٰذا 2016ء کا ایجنڈا ان جائز حقوق سے محرومی پر ٹھوس اعداد وشمار پر مبنی معلومات پر مرتب ہونا چاہئے اور ان کے حق میں موثر مہم چلائی جانی چاہئے۔ تا کہ غیر منظّم مزدور بھی متوجہ ہوں اور وہ تنظیم سازی کی طرف بڑھ سکیں۔ ان درج بالا بالکل ابتدائی اور قطعی جائز قانونی حقوق ومراعات پر مرتب کردہ۔ ایجنڈا اس کی مناسب تشہیر اس پر پمفلٹس پوسٹرز سیمینارز اور اجتماعات کے ذریعے بھرپور آواز اٹھانے کا عمل تا کہ مزدوروں کے علاوہ رائے عامہ کو مزدور مسائل سے آگاہ کیا جا سکے۔ چونکہ جی ایس پی پلس کا عرصہ 10 سال تک محیط ہے اس لئے اس سے جڑی ہوئی شرائط سے مزدوروں کی مسلسل آگہی کی مہم تا کہ ان میں اس سے مستفید ہونے کا عزم اور جذبہ بیدار ہو سکے۔ (اس سلسلہ میں کنفیڈریشن کی طرف سے جاری کردہ تعارفی پمفلٹ سے مدد لی جا سکتی ہے اور اگر ضرورت ہو تو دوبارہ شائع کر کے زیادہ تعداد میں مہیا کیا جا سکتا ہے)۔ اگلے مرحلہ میں جہاں جہاں مزدور تنظیم سازی کے لئے تیار ہوں ان کی بھرپور عملی حمایت کی جائے۔ اگر ان کے خلاف انتقامی کارروائیاں اور ملازمت سے ناجائز طریقے سے فارغ کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو بھرپور مزاحمت اور فیڈریشنز اور کنفیڈریشن کے بھی علم میں لا کر مشترکہ مہم چلائی جائے۔
- ہمیں اندازہ ہے کہ غیر رسمی شعبہ تیزی سے بڑھ رہا ہے اور اس شعبہ کے مزدور ہر قسم کی تمام سہولتوں سے محروم حالات کے رحم وکرم پر محنت مشقت کرنے پر مجبور ہیں۔ اس لئے ہمارا اگلا ٹارگٹ رسمی شعبوں کے ساتھ ساتھ غیر رسمی شعبوں میں تنظیم سازی اور ان کے ساتھ مضبوط تنظیمی روابط اور ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش ہونا چاہئے۔ مثلاً ہوم بیسڈ ورکرز اور ڈومیسٹک ورکرز جن میں خواتین کارکن بھاری تعداد میں محنت مشقت کر رہی ہیں ان کی ابتدائی طور پر غیر رجسٹرڈ ہی سہی تنظیمیں بنانے کی کوششیں (اگر چہ ڈومیسٹک ورکرز کی ایک یونین لاہور میں رجسٹرڈ ہو چکی ہے)۔ اسی طرح سندھ اور بلوچستان کے بعد پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں بھی زرعی مزدوروں کو زیادہ عرصہ تک تنظیم سازی اور لیبر قوانین کے اطلاق کے حق سے محروم نہیں رکھا جا سکے گا۔ (اس سلسلہ میں صوبہ سندھ میں زرعی مزدوروں کی ایک یونین پہلے ہی رجسٹرڈ ہو چکی ہے) اس سیکٹر کے مزدوروں سے ٹھوس روابط اور ان کو تنظیم سازی کی طرف مائل کرنے کی کوشش اور ابتدائی طور پر بے شک غیر رجسٹرڈ تنظیمیں ہی معرض وجود میں لائی جائیں۔

رسمی اور بالخصوص غیر رسمی شعبوں میں سیکٹر وائز اور ٹریڈ وائز اور جنرل ٹریڈ یونین سازی کی کوششیں تا کہ ایک ہی رجسٹرڈ یونین میں زیادہ تیزی سے اور زیادہ تعداد میں مزدوروں کو منظّم کیا جا سکے۔ ان غیر رسمی شعبوں کے لئے سوشل سیفٹی نیٹ مثلاً سوشل سیکورٹی ای او بی آئی اور دیگر مزدور مفاد کے اہم اداروں کی ممبر شپ اور ان سے مستفید ہونے کا حق اس کے علاوہ ہمارے ملک میں مختلف شعبوں سے منسلک ایک بہت بڑی تعداد خود روزگار حیثیت میں گزر بسر کر رہی ہے اور ان کی اکثریت بمشکل اپنی گزر بسر تک کمائی کر رہی ہے۔ ان خود روزگار مزدوروں کی تنظیم سازی اور ان کو تمام سوشل سیفٹی نیٹ میں لانے کی ترغیب اور ان میں رجسٹریشن کی کوششیں ہمارے اگلے دو سال کے درج بالا اہداف کا ہم نے اجمالی جائزہ لیا ہے ان کی مانیٹرنگ اور کامیابیوں کا پیمانہ یہ ہوگا کہ ہماری کاوشوں سے کتنے غیر رجسٹرڈ کارخانے رجسٹرڈ ہو سکے۔ کتنے عارضی وڈیلی ویجز اور ٹھیکیداری سسٹم کے تحت کام کرنے والے مزدور مستقل ہو سکے، سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی کی رجسٹریشن میں کتنا اضافہ ہوا، کتنی نئی تنظیمیں معرض وجود میں آئیں، کم از کم اجرت پر عملدرآمد اور دیگر سہولیات میں کس قدر اضافہ ہوا۔ کتنے اداروں میں قانونی، میڈیکل، اتفاقیہ اور میٹرنٹی لیو کا حصول ممکن ہوا۔ عدالتوں سے اگر ریلیف ملا ہو یا کم از کم عدلیہ کے رجحانات بہتر ہوئے اور فیصلے کم سے کم عرصہ میں ممکن ہو سکے۔

- یہ تمام ممکنہ رپورٹ ہماری آئندہ کی دو سالہ کی کارکردگی کی رپورٹ کا لازمی حصہ ہوگی اور ہم کنفیڈریشن کی طرف سے تمام صنعتی شہروں اور صنعتی علاقوں کی یونینز اور تنظیموں کو اپنی طرف سے ہر قسم کی اخلاقی و سیاسی اور عملی طور پر بھرپور حمایت اعادہ کرتے ہیں۔

جی ایس پی پلس ۔ مستقبل کا لائحہ عمل اور ہماری ذمہ داریاں

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ کنفیڈریشن جی ایس پی پلس کے مقاصد کے حصول اور اس سمت میں ٹھوس پیش رفت کے بارے میں اپنی رپورٹ کے ساتھ تجاویز بھی مرتب اور پیش کرے۔ ہماری تجاویز کا ایک حصہ آئندہ دو سال کے لئے ہے، جبکہ اس وقت تک جی ایس پی پلس کی تقریباً آدھی مدت ختم ہو جائے گی، اگر ان تجاویز پر مکمل توجہ کے ساتھ عملدرآمد کی طرف پیش قدمی ہوئی تو یہ اس سیاسی عزم کا ثبوت ہوگا کہ حکومت اچھی طرز حکمرانی رائج کرنے اور پاکستان کے لاکھوں زیر استحصال مزدوروں کی زندگی میں مثبت تبدیلی لانے اور پائیدار ملکی ترقی کے لئے سنجیدہ کوششیں کر رہی ہے۔

موجودہ صورتحال کو نقطہ آغاز سمجھتے ہوئے اگر تمام حکومتی اور مقتدر حلقے اور متعلقہ اسٹیک ہولڈرز پر عزم طریقے سے جی ایس پی پلس سے منسلک لیبر معیارات پر عملدرآمد کے اہداف کے سنجیدگی حصول کے لئے مشترکہ کوششیں بروئے کار لائیں تو نہ صرف اس کے فوائد سے حاصل ہو سکتے ہیں، بلکہ عالمی ذمہ داریوں سے بھی احسن طریقے سے سرخرو ہوا جا سکتا ہے۔

قانونی اصلاحات وقوانین سازی

- تمام صوبے صوبائی سطح پر تمام لیبر قوانین کی تیاری اور اسمبلیز سے منظوری کا عمل مکمل کریں اور اس سلسلے میں تمام اسٹیک ہولڈرز سے بامعنی مشاورت کو یقینی بنائیں نیز قوانین میں وہ تمام سقم دور کریں جن پر گزشتہ سالوں میں آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (CEACR) نے مسلمہ کنونشنز سے انحراف کے اعتراضات اور سوالات اٹھائے تھے۔
- ان قوانین میں مزدوروں کے مسلمہ حقوق کے تحفظ کی ضمانت، امتیازی اجرتوں کے خاتمے، بہتر حالات کار اور مزدوروں کی فلاح و بہبود کے اداروں سے ورکرز سے مستفید ہونے کو یقینی بنائیں۔
- جی ایس پی پلس کے معیارات پر عملدرآمد کے سلسلے میں رسمی شعبوں کے ساتھ ساتھ زرعی اور غیر رسمی شعبوں میں موجود بھاری تعداد میں کام کرنے والے محنت کشوں کو بھی لیبر قوانین کے دائرہ کار میں لانے کے اقدامات اٹھائے جائیں اور ان کو سوشل سیفٹی نیٹ میں لانے کے راستے نکالے جائیں اور ان کی کام پر صحت وسلامتی اور مناسب اجرتوں کو یقینی بنایا جائے اور ان کی تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کا حق دیا جائے اور پیشہ ورانہ یونین (Occupation Union)، شعبہ جاتی یونین (Industry wise Union) اور جنرل یونین (General Union) کا حق دے کر ان مزدوروں کی اکثریت کو منظّم ہونے کا موقع دیا جائے۔
- یونین کی رجسٹریشن کے عمل میں رجسٹریشن کی درخواست لیبر کورٹ میں جمع کروانے کا طریقہ کار رائج ہوتا کہ آجروں اور انتظامیہ کی طرف سے فوری انتقامی کارروائی سے بچا جا سکے۔ لیبر کورٹ تمام عہدیداروں اور ممبران کے روزگار کے تحفظ کی گارنٹی کے ساتھ یہ درخواست رجسٹرار کو بھجوائے۔
- کسی بھی ادارہ میں تیسری یونین کی رجسٹریشن کے لئے 20 فیصد لازمی ممبر شپ کی شرط ختم کی جائے اور یہ یونین کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے قیادت کا چناؤ کرے اور آوٹ سائیڈر کی نمائندگی کے لئے کسی بھی جگہ پر ملازم ہونے کی شرط ختم کی جائے۔

چائلڈ لیبر کے خاتمے کے لئے اگر لیبر قوانین میں ترمیم کی ضرورت ہو۔ اور چائیلڈ لیبر کے خاتمے کے ساتھ تمام بچوں کی لازمی اور معیاری تعلیم کے بندوبست کو قومی ترجیح کا درجہ دیا جائے، بلکہ تعلیمی ایمرجنسی لاگو کی جائے۔

- ★ لیبر جوڈیشنری میں لیبر کورٹس اور این آئی آر سی کو بھی دیگر عدالتوں کی طرح منسٹری آف لا اینڈ جسٹس کے تحت لایا جائے اس کو انتظامیہ سے علیحدہ رکھا جائے، تاکہ انتظامیہ اثر انداز نہ ہو سکے اور ان کورٹس میں صرف حاضر سروس ججز تعینات ہوں ریٹائرڈ ججز کی خدمات نہ لی جائیں اور ان ججز کی مراعات و دیگر سہولیات عدلیہ کے دیگر ججوں کے برابر ہوں۔
- ★ ہوم بیسڈ اور ڈومیسٹک ورکرز کے بارے میں آئی ایل او کے کنونشنز کی توثیق اور ان کی مطابقت میں قانون سازی، ہیلتھ اور سیفٹی کے بارے میں نئے کنونشنز کی توثیق۔

انتظامی اصلاحات:

- ★ وسط جون 2016ء تک تمام اسٹیک ہولڈرز کی مشاورت کے ساتھ تمام غیر رجسٹرڈ صنعتی و دیگر اداروں کی رجسٹریشن کا عمل لازمی طور پر مکمل کر لیا جائے، تاکہ ان اداروں کے مزدوروں کو اپنے بنیادی قانونی حقوق حاصل ہو سکیں اور ان پر بہتر حالات کار اور صحت و سلامتی کے قوانین کا اطلاق ہو سکے۔
- ★ تمام سہ فریقی کمیٹیوں کے کردار کو موثر بنانے کے لئے ان کے ریگولر اجلاس ہوں، تاکہ موجودہ مسائل پر فیصلے اور ان پر عملدرآمد ہو سکے۔
- ★ لیبر ایڈمنسٹریشن میں چیک اینڈ بیلنس کا نظام تاکہ صوابدیدی اختیارات کے یکطرفہ استعمال پر احتیاط برتی جائے اور ناجائز رکاوٹوں اور بدعنوانیوں میں کمی آسکے۔
- ★ لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلہ میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں ادارہ جاتی سطح پر تعاون کا میکنزم طے کیا جائے تاکہ ہر جگہ یکساں طریقے سے لیبر معیارات پر عملدرآمد ہو سکے۔
- ★ سپریم کورٹ کی رولنگ کی روشنی میں اور ملکی قوانین کے مطابق ہر قسم کے امتیازات کا خاتمہ، مزدوروں کے لئے ایک مثالی نمونہ کے قانون کے مطابق ملازمت پر تقرری کے لیٹر کی تیاری اور لازمی لیٹرز وصول کروانا، مستقل جاب پر عارضی اور ٹھیکیداری سسٹم کی ملازمت پر پابندی، تمام حق دار مزدوروں کی سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں لازمی رجسٹریشن اور رجسٹریشن کارڈز کی مزدوروں کو وصولی۔ ملازمت کی رجسٹریشن میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال اور بایومیٹرک سسٹم کے تحت رجسٹریشن۔
- ★ کام کی جگہ پر ہراساں کرنے، چائیلڈ لیبر اور بانڈڈ لیبر جیسے تمام غیر قانونی اقدامات کی مکمل بیخ کنی۔
- ★ تعلیم کی اہمیت بارے آگاہی مہم۔ میڈیا اور نصاب تعلیم کے ذریعے آگاہی تاکہ تعلیم کی شرح میں اضافہ ہو اور چائیلڈ لیبر اور بانڈڈ لیبر کا بھی خاتمہ ہو سکے اور اس سلسلے میں لازمی اور کوالٹی تعلیم کا بندوبست۔
- ★ موثر لیبر انسپکشن جس کا دائرہ کار رسمی اور غیر رسمی دونوں شعبوں تک بڑھایا جائے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں لیبر انسپکشن کی ضروریات کے لئے وسائل مہیا کریں، تاکہ لیبر انسپکٹرز کی مناسب تربیت اور استعداد کار بڑھائی جا سکے اور وہ صحت و سلامتی کے مسائل کو دیکھ سکیں۔
- ★ ہر قسم کی ملازمتوں اور شعبوں میں ملازمت کے سلسلے میں امتیازی رویوں اور صنفی امتیاز کا خاتمہ۔
- ★ غربت اور مالی مجبوریوں کی وجہ سے اپنے بچوں بانڈڈ لیبر اور چائیلڈ لیبر پر مجبور کرنے والے گھرانوں کو صوبائی سیفٹی نیٹ میں موجود پروگرامز کا حصہ بنانا۔
- ★ ضلعی سطح پر ویجیلینس کمیٹیوں کی کارکردگی کو مزید موثر بنانا اور ان کمیٹیز میں نمائندہ یونینز کے عہدیداروں کی شمولیت تاکہ یہ بانڈڈ لیبر کا خاتمہ میں موثر کردار ادا کر سکیں۔
- ★ چائلڈ لیبر اور بانڈڈ لیبر کے بارے میں صحیح اعداد و شمار اکٹھے کئے جائیں، تاکہ اس مسئلہ کی مکمل تشخیص اور ان کا دائمی حل کے لئے بہتر منصوبہ بندی کی جا سکے۔
- ★ لیبر کورٹس اور این آئی آر سی کی سالانہ کارکردگی کی رپورٹس شائع کی جائیں۔ ان محروم علاقوں اور معاشرہ کے حصوں کو خصوصی طور پر سوشل سیفٹی نیٹ کے پروگرام کا حصہ بنانا جہاں سے چائیلڈ لیبر اور بانڈڈ لیبر زیادہ پیدا ہو رہی ہے۔
- ★ قوانین کو سادہ بنانا اور تمام قوانین کو صرف چھ مسودات میں یکجا کرنا اور قوانین کی اردو اور انگلش دونوں زبانوں میں اشاعت۔
- ★ لیبر انسپکشن موثر، آزادانہ طور پر جو پیشہ ورانہ صحت و سلامتی کے حالات کو دیکھ کر مناسب تجاویز دے سکیں۔ محنت و سلامتی سے متعلق ایک آزاد ادارے کا قیام۔

- لیبر عدلیہ سے سستا اور جلد انصاف مہیا کرنا اور قانون کا تمام طبقات پر یکساں اطلاق اور عدلیہ کے حتمی فیصلوں پر فوری عملدرآمد کو یقینی بنانا۔
- سپریم کورٹ تمام ماتحت عدالتوں کی کارکردگی کو مدنظر رکھے۔ مقررہ مدت کے اندر لازمی فیصلوں کو یقینی بنانا، ہر سطح پر چیک اینڈ بیلنس کا نظام۔
- ان ججز کی ٹریننگ کا یہ اہم حصہ ہو کہ وہ تمام لیبر قوانین اور لیبر کے حوالے سے ملک کی عالمی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں نیز جی ایس پی پلس اور لیبر معیارات پر عملدرآمد کے حوالے سے جو بھی مقدمات ہوں ان کا فیصلہ ترجیح بنیادوں پر کریں۔
- لیبر کے مقدمات کی اپیل کے سلسلے میں اعلیٰ عدالتوں کے خصوصی بنچ مقرر ہوں تاکہ ان کا فیصلہ جلد از جلد ہو سکے۔
- مزدور تنظیمیں سیکٹر وائز، شعبہ وائز تنظیم سازی کے لئے موثر مہم چلائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ورکرز منظم ہو کر مزدور تحریک کا حصہ بن سکیں۔

حرفِ آخر

جی ایس پی پلس کے ثمرات سے مزدور اور عام آدمی صرف اسی صورت میں مستفید ہو سکتا ہے، اگر تمام اداروں میں ٹریڈ یونینز منظم ہوں اور اجتماعی سودا کاری کا حق استعمال کر سکیں۔ اس لئے جی ایس پی پلس میں سب سے اہم اور ترجیحی کنونشن تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی آزادی ہے۔ اور بالخصوص اگلے دو سالوں میں ایکسپورٹ سیکٹر کے تمام اداروں میں حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونینز کا قیام اور ان یونینز کی طرف سے اجتماعی سودا کاری کے ذریعے پہلے سے زائد برآمدات اور اضافی منافع میں سے لیبر کیلئے مناسب حصہ کے حصول کو یقینی بنانا جی ایس پی پلس سے متعلقہ لیبر معیارات پر عمل درآمد کا ایک اہم اور بنیادی ٹیسٹ ہوگا۔

حوالہ جات

Danish Trade Union Council for International Development Cooperation: *'Pakistan Labour Market Profile 2014'.*

International Labour Organisation: *'World Employment Social Outlook: The Changing Nature of Jobs 2015', 'World Report on Chid Labour 2015'.*

Ministry of Finance, Government of Pakistan, '*Pakistan Economic Survey*' various issues.

Pakistan Bureau of Statistics: *'Labour Force Survey'*- various issues, '*Pakistan Employment Trends 2013-14*', '*Household Integrated Economic Survey'.*

Pasha, Hafiz A., *'GSP Plus Status and Compliance of Labour Standards*", Friedrich-Ebert-Stiftung. 2014.

Society for the Protection of the Rights of the Child, 'The State of Pakistan's Children – 2014'.

Working paper on '*Assessing Labour Inspection and OSH in Pakistan*', presenting in a meeting (2015) of Ministry of Overseas Pakistani and Human Resource Development

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

بدلتی ہوئی عالمی اور ملکی صورت حال کے تناظر میں جبکہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی گرفت زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے نیو ورلڈ آرڈر نے مزدوروں کے مسائل اور مشکلات میں زیادہ اضافہ کیا تو ملک کی تمام اہم چھ مزدور فیڈریشنوں جن میں متحدہ لیبر فیڈریشن، پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین آرگنائزیشن، آل پاکستان فیڈریشن آف ٹریڈ یونین اور وفاقی تنظیم برائے بنکس و مالیاتی ادارہ جات شامل ہیں نے اپنے تمام اختلافات اور نظریاتی کشمکش کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ منظّم مزدوروں کو ایک مشترکہ مضبوط پلیٹ فارم پر مجتمع کرتے ہوئے موجود تقاضوں اور چیلنجز کا سامنے کرنے کے لئے مورخہ 18 مارچ 1995ء میں لاہور میں مندوبین کے ایک بڑے اجلاس میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی بنیاد رکھی جس کے بانی صدر جنرل سیکرٹری اور چیئرمین بالترتیب گل رحمٰن، خورشید احمد اور مرحوم ایس پی لودھی تھے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے اغراض ومقاصد درج ذیل طے ہوئے۔

پاکستان بھر میں محنت کشوں کی ٹریڈ یونینز میں تنظیم، مزدوروں کی تنظیمی قوت کو قومی سطح پر موثر بنایا اور منوانا، مزدوروں کے ساتھ ساتھ کسانوں، دانشوروں، خواتین، نوجوانوں اور دیگر مظلوم طبقات کے سماجی، سیاسی و معاشی حقوق کے لئے جدوجہد، کم از کم اجرتیں مہنگائی کے تناسب سے، بہتر حالات کار و شرائط کار، تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کی رکاوٹوں کا خاتمہ، محنت کی عظمت اور وقار کو تسلیم کروانا، مزدوروں کے معاشی، سماجی اور سیاسی و بنیادی حقوق کے تحفظ، آئی ایل او کے کنونشنز کے اطلاق، مزدوروں کے سماجی تحفظات (سوشل سیفٹی نیٹ) گروپ انشورنس، گریجوایٹی، پنشن، رہائش ٹرانسپورٹ ان کے بچوں کے لئے تعلیم صحت اور دیگر متعلقہ امور بارے جدوجہد، مزدوروں کے لئے فنی تعلیم و تربیت کا بندوبست، صنعتی علاقوں اور مزدوروں بستیوں میں معقول رہائش، صحت مند ماحول کی فراہمی اور پیشہ ورانہ بیماریوں سے تحفظ کی جدوجہد، ٹھیکیداری، ورک چارج، نام نہاد عارضی، وقتی کنٹریکٹ کی مختلف شکلوں اور طریق ملازمت کے ذریعے مزدوروں کے استحصال کے خلاف جدوجہد، ملک کی ترقی و خوشحالی کے حصول، ظالمانہ معاشرتی اور اقتصادی نظام سے آزادی اور سماجی انصاف پر مبنی استحصال سے پاک معاشرہ کے قیام کے لئے جدوجہد، بچوں اور خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک، جبری مشقت اور بیگار کے خاتمہ کی جدوجہد، پالیسی ساز اداروں میں محنت کشوں کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی کے لئے جدوجہد، سرکاری شعبے کے تمام حساس صنعتی، تجارتی اور خدمات کے اداروں کی نجکاری کے خلاف اقدامات، سرکاری شعبے کے صنعتی، تجارتی اور قومی خدمات کے اداروں کی بہتر کارکردگی کے لئے بدعنوان عناصر کے محاسبے کے لئے جدوجہد اور عمومی طور پر وہ تمام اقدامات کرنا جو محنت کشوں اور ان کی تنظیموں کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہوں۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن ٹریڈ یونین تحریک کا ایک اہم سنگ میل ہے جس نے عملاً اس امر کا اظہار کیا کہ مزدور طبقے کو درپیش مشترکہ مسائل اور چیلنجز سے نبٹنے کے لئے مزدور تنظیموں میں یہ وصف اور بالغ نظری موجود ہے کہ وہ اپنے تنظیمی اور نظریاتی اختلافات کو پس پشت ڈال کر مزدور طبقے کے وسیع تر مفاد کے لئے کم از کم پروگرام پر متفقہ پلیٹ فارم پر جدوجہد کے لئے تیار اور کوشاں ہو سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کی مجموعی ٹریڈ یونین تحریک کی صورت حال اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ جو فیصلہ کن نتائج کے حصول کی پوزیشن میں ہو، کیونکہ منظّم مزدور طبقہ کی تعداد 5 فیصد سے بھی کم ہے اور پھر نیو ورلڈ آرڈر، نجکاری، رائٹ سائزنگ، ڈاؤن سائزنگ، ڈیلی ویجیز، ٹھیکیداری اور دیگر مزدور دشمن اقدامات کی وجہ سے ٹریڈ یونین تحریک اپنی بقاء کی جدوجہد کے دور سے گزر رہی ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے اپنے قیام سے لے کر آج تک ملکی اور عالمی سطح پر مختلف فورمز اور سیمینارز میں رسمی اور غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ کنفیڈریشن نے مختلف ادوار اور اوقات میں مشترکہ جلسوں، ریلیز کے ذریعے محنت کشوں کے مسائل، مطالبات اور مشکلات کو ہمیشہ اجاگر کیا ہے۔

اگرچہ کنفیڈریشن کی بنیاد چھ ملک گیر تنظیموں نے رکھی تھی، لیکن اب اس میں دیگر بہت سی ملک گیر اور صوبائی سطح پر منظّم تنظیموں نے بھی شمولیت اختیار کر کے اس اتحاد کو مزید مضبوط کر دیا ہے۔ اس وقت مرکزی اور صوبائی سطح کی اہم فیڈریشنز کنفیڈریشن کا حصہ ہیں۔ اس وقت مرکزی سطح پر صدر ظہور اعوان، جنرل سیکرٹری نور محمد، چیئرمین عزیز عباسی اور چیف آرگنائزر محمد یعقوب ہیں جبکہ چاروں صوبوں میں صوبائی ڈھانچے بھی منظّم اور فعال ہیں۔

مصنفین کے بارے میں

محمد یعقوب

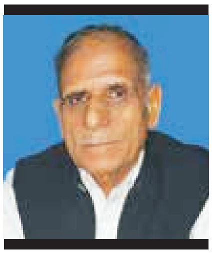

دسمبر 1966ء میں راوی ریان میں ملازمت اختیار کی۔ 1970ء میں ورکرز یونین کے عہدیدار منتخب ہوئے اور اسی سال راوی ریان میں تاریخی ہڑتال ہوئی جو ایک ماہ تین دن جاری رہی میں بھرپور حصہ لیا۔ 1972ء میں انہی کے گروپ کی الیکشن میں کامیابی کے بعد نئی انتظامیہ سے مطالبات پر اختلاف بڑھا جس کی پاداش میں ان سمیت 9 اہم عہدیداران اور سرگرم کارکنان کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور پھر ان کی بحالی کے لئے راوی ریان اور علاقہ بھر کے مزدوروں نے بار ہا جدوجہد کی، جبکہ 1974ء میں راوی ریان میں ان کی بحالی کے لئے پھر ہڑتال ہوئی جو 24 دن جاری رہی۔ ملازمت سے برطرفی کے بعد اپنا تمام وقت مزدوروں اور کسانوں کو منظم کرنے پر صرف کیا اور پنجاب بھر میں ٹریڈ یونینز جبکہ شیخوپورہ، گوجرانوالہ میں کسان کمیٹیاں منظم کیں۔

1979ء میں پنجاب بھر کی سینکڑوں ٹریڈ یونینز کی ایک بھرپور لیبر کانفرنس میں پنجاب ورکرز فرنٹ کی بنیاد رکھی۔ جس کے چیف آرگنائزر مقرر ہوئے۔ جون 1980ء میں ایک نام نہاد پمفلٹ کیس میں مارشل ضابطہ 13,33 کے تحت گرفتار ہوئے اور 15 دن شاہی قلعہ کے ٹارچر میں گزارے۔ بعدازاں کیمپ جیل میں دو سال تک بطور حوالاتی قید رہے۔ 1982ء میں دہائی کے بعد ملک بھر میں طوفانی دورے کر کے مختلف ہم خیال تنظیموں کو ساتھ ملایا اور چھ مزدور تنظیموں کے ادغام سے نئی تنظیم جوائنٹ لیبر فیڈریشن کی بنیاد رکھی جس کے بانی سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ ستمبر 1988ء میں چھ تنظیموں کے ادغام سے متحدہ لیبر فیڈریشن کی بنیاد رکھی گئی جس کے مرکزی چیئرمین منتخب ہوئے اور آج تک اسی عہدہ پر کام کر رہے ہیں۔

1985ء میں برطرفی کے دور میں راوی ریان میں الیکشن لڑا اور کامیابی کے بعد 5 سو کے قریب ڈیلی ویجیز اور ٹھیکیداری نظام پر کام کرنے والے مزدوروں کو مستقل کروایا۔ 1990ء میں نجکاری کے خلاف ملک بھر کی سرکاری تحویل میں موجود نمائندہ یونینز کو ایک پلیٹ فارم آل پاکستان اسٹیٹ انٹرپرائزز ورکرز ایکشن کمیٹی (APSEWAC) میں منظم کیا۔ جس کے بانی صدر منتخب ہوئے اور ایک سال کی مسلسل جدوجہد جلسے، جلوسوں، جزوی اور مکمل ہڑتالوں، سیلز کی بندش جیسے اقدامات کئے گئے۔ بالآخر ایکشن کمیٹی کے ممبران سپریم کونسل اور دیگر بہت سے ہم خیال سیاسی دوستوں ٹریڈ یونین راہنماؤں کے ساتھ مشاورت کے بعد حکومت سے معاہدہ کیا۔ جس میں نجکاری کے حوالے سے تین مختلف پیکیج موجود تھے اسی معاہدہ کے ذریعہ مزدوروں نے درجن بھر کارخانے خود خریدے۔ 1995ء میں چھ ملک گیر فیڈریشنوں نے ایک نئے اتحاد پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی بنیاد رکھی جس میں متحدہ لیبر فیڈریشن، پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن آل پاکستان ٹریڈ یونین آرگنائزیشن، آل پاکستان فیڈریشن آف ٹریڈ یونین اور وفاقی تنظیم برائے بنکس و مالیاتی ادارہ جات شامل تھے۔ اس میں صوبائی چیئرمین اور بعدازاں مرکزی چیف آرگنائزر اور مرکزی صدر کے عہدوں پر رہے اور آج بھی اس کے چیف آرگنائزر ہیں۔

ملازمت کے وقت تعلیم FSc تھی۔ بعدازاں بی اے، ایل ایل بی اور ایم اے کے امتحانات پاس کئے اور عجیب اتفاق ہے کہ ایل ایل بی فائنل اور ایم اے کے امتحانات (1982-1980ء) جیل میں دوران قید پاس کئے اور آج بھی بار کونسل تحصیل فیروز والہ ممبر ہیں۔ مختلف عالمی اور ملکی فورمز، سیمینارز وغیرہ میں مزدوروں کی بھرپور نمائندگی کی۔ پانچ سال تک ایک مزدوروں کا ترجمان ماہنامہ ''جمہوری سنگت'' نکالا۔ 1970ء سے آج تک بطور ٹریڈ یونینسٹ مزدور تحریک سے وابستہ ہیں اور اتنے لمبے عرصہ کے کیریئر میں ٹریڈ یونین تحریک کے اتار چڑھاؤ پر گہری نظر رہی ہے خود عملی جدوجہد میں شریک رہے اسی لئے بہت سے واقعات جدوجہد اور مشکلات، مسائل اور کامیابیوں اور ناکامیوں کے عینی شاہد ہونے کی وجہ سے پاکستان کی مزدور تحریک کے ایک اہم شاہد اور اس کا عملی کردار ہیں۔

شوکت علی چودھری

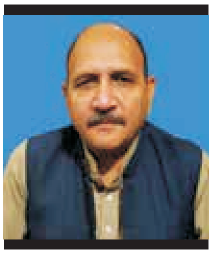

شوکت علی چودھری جو پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز 1968ء میں ایوب خان حکومت کے خلاف چلنے والی طلباء تحریک سے کیا۔ اسی تحریک میں شرکت کے نتیجہ میں انہوں نے طلباء کی ملک گیر ترقی پسند تنظیم نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شمولیت اختیار کی اور 1973ء تک اس کے مختلف عہدوں پر بھی اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے، اسی جدوجہد کے دوران انہوں نے ایرویز ایمپلائز یونین (PIA) اور ملک گیر مزدور تنظیم قومی مزدور محاذ کے پلیٹ فارم سے مزدوروں میں سیاسی کام کا آغاز کیا۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں انہوں نے بحیثیت ایک طالب علم رہنما 1972ء میں صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے مری میں پاکستان بھر سے مدعو کئے گئے طالب علم رہنماؤں کے اجلاس میں شرکت کی، یہ اجلاس صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے ''شملہ کانفرنس'' جو کہ انڈیا میں منعقد ہو رہی تھی، اس میں جانے سے قبل منعقد کی تھی۔ وہ ''معاشیات'' کے طالب علم رہے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1974ء سے 1979ء تک کسب معاش کے سلسلہ میں بیرون ملک مقیم رہے اور اس دوران انہوں نے بحری جہازوں میں بھی ملازمت کی اور بین الاقوامی سی مین (Sea Men) یونین کی ممبر شپ بھی حاصل کی۔ بحری جہازوں کی ملازمت کے دوران انہوں نے 27 سے زیادہ ممالک کا سفر بھی کیا۔ 1979ء میں پاکستان واپس آنے کے بعد انہوں نے ایرویز ایمپلائز یونین (PIA) میں انفارمیشن سیکرٹری کے طور پر فرائض سرانجام دینے کے علاوہ ریلوے ورکرز یونین میں بھی کام کیا اور ریلوے ورکرز یونین (CBA) ورکشاپس کے 3 سال تک سینئر نائب صدر بھی رہے۔ 1987ء میں جب پاکستان کی مزدور تحریک کے سینئر رہنما طفیل عباس نے پاکستان مزدور محاذ کے قیام کا اعلان کیا تو وہ اس کے بنیادی اراکین میں شامل تھے۔ 1964ء سے پاکستان کی مزدور تحریک کے ترجمان ''ماہنامہ منشور'' (کراچی) کے 1989ء سے سب ایڈیٹر، منیجنگ ایڈیٹر اور 2003ء سے ایڈیٹر کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ پاکستان مزدور محاذ کے سیکرٹری انفارمیشن کے عہدے پر بھی فائز رہے اور آج کل وہ اس کے سیکرٹری جنرل کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

پاکستان اور یورپی یونین کے مابین جی ایس پی پلس (GSP Plus) کا معاہدہ جنوری 2014 سے لاگو ہے جس کے تحت پاکستانی برآمدی اشیاء کی یورپی یونین کی منڈیوں میں دس سال کے لئے ترجیحاتی بنیادوں پر کھپت ہوگی۔ اس معاہدہ سے نہ صرف پاکستان کے برآمدی سیکٹر کی ترقی کے لئے بہتر مواقع کی راہیں کھل گئی ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ پاکستانی معیشت کے اندرونی چیلنج کو احسن طریقے سے منظّم کرنے کی بھی صورت نکل آئی ہے۔ اِس معاہدے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تجارت میں اضافہ ہونے سے جو فائدے ہوں گے ان سے پاکستان میں گورنس میں بہتری لانے اور پائیدار ترقی کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ ترجیحاتی سہولت 27 بین الاقوامی انسانی حقوق، محنت اور ماحولیاتی کنونشن پر عمل درآمد سے مشروط ہے۔ تاکہ جی ایس پی پلس سے ہونے والے فوائد کو جاری رکھا جائے۔ مزید براں اس سے بین الاقوامی ادارہِ محنت کے تحت آٹھ بنیادی محنت کے معیارات (Standards) پر مئوثر طور پر عمل درآمد ہوگا۔ جس پر بہتر طور عمل کرنے سے ملک میں محنت سے متعلق نظم ونسق کو مثبت طور پر تقویت حاصل ہوگی۔ اور ایسا کرنے سے ایک طویل مدت کے لئے پاکستان میں چھ کروڑ سے زیادہ مزدوروں کو فائدہ ہوگا۔

عالمی ادارہِ محنت کے معیارات سہ فریقی مشاورت کا نتیجہ ہیں ان پر عمل درآمد کے لئے سب فریقوں کی فعال شراکت کی ازحد ضرورت ہے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے GSP Plus کی شرائط کے نفاذ اور نگرانی کے عمل میں موثر شراکت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور محنت کے معیارات میں بہتری لانے کے لئے تجاویز پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فریڈرک ایبرٹ اسٹیفٹنگ ایک جرمن فاؤنڈیشن ہونے کے حوالے سے سماجی جمہوریت کی اقدار کے فروغ کا عزم رکھتی ہے۔ اور تمام دنیا میں مختلف النوع موضوعات پر مکالمے کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔

FES اس پر یقین کرتی ہے کہ جمہوری حکمرانی کا سماجی عدل سے متعلق تمام سوالات پر توجہ دینا بہت اہم ہے اس لئے ٹریڈ یونینز اس بات میں اہم فریق ہیں کہ مطلوبہ سماجی بہبود سے وابستہ ترقی کو یقینی بنائیں FES سنجیدگی سے اس بات کی امید رکھتی ہے کہ اس رپورٹ میں آگے بڑھنے کے لئے جو تجزیئے اور تجاویز پیش کئے گئے ہیں ان سے مختلف مراحل پر ترقی کے لئے اقدامات سے متعلق مکالمے سے GSP Plus کے اہداف کو پورے کرنے میں مدد ملے گی۔

اسلام آباد، نومبر 2015

فلپ کاوپرٹ	عبدالقادر
ریذیڈنٹ ڈائریکٹر	پروگرام کوآرڈینیٹر اینڈ ایڈوائیزر
فریڈرک ایبرٹ اسٹیفٹنگ، پاکستان	

Imprint:
Friedrich-Ebert-Stiftung
Pakistan
No. 10-A, Street No. 31, F-8/1, Islamabad, Pakistan.

Phone: +92 51 2850912-6
Fax: +92 51 2850917
Email: info@fes-pakistan.org
Website: www.fes-pakistan.org

Disclaimer:
The views expressed in this publication are not necessarily those of the Friedrich-Ebert-Stiftung.

Commercial use of all media published by the Friedrich-Ebert-Stiftung (FES) is not permitted without the written consent of the FES.

EFQM
Committed to excellence

FRIEDRICH
EBERT
STIFTUNG